ماہنامہ

حیات نو

" آج ضرورت ہے کہ پھر ہم اپنی آواز بلند کریں اور تعقلی مانندی دنیا کو بتائیں کہ اس کا امن او رچین قومی و نسلی امتیازات اور تفریقوں میں نہیں بلکہ پیغام حق کے قبول حق میں ہے پیغامی برادری قائم ہو جس میں پیغام کے ہر قبول کرنے والے کو برابری کا درجہ ملے اور اس پیغام کے حقدار قبول اور اس کیلئے جد و جہد کی ذمہ داری کے قبول کو حقوق کی کمی و بیش کا معیار بنایا جائے .... لیکن یہ پوری طرح یقین کر لینا چاہیئے کہ دنیا میں کسی پیغام یا کسی تحریک و دعوت کی کامیابی، اس پیغام و دعوت کی صرف عمدگی سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے علمبرداروں کی جد و جہد، سعی و محنت، سرگرمی عمل اور ایثار و قربانی سے ہو سکتی ہے۔ دنیا ایک بحر رواں ہے، اس بحر رواں میں وہی زندہ رہے گا جو خود بھی رواں ہے "

معارف جنوری ۱۹۴۳ء از علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

ماہنامہ

حیاتِ نو

جلد: ۲ .... شمارہ: ۴

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ اپریل ۱۹۷۹ء

مجلسِ ادارت

انصار احمد فلاحی مدیر مسئول (بلریاگنج)

حمد اللہ فراہی فلاحی (علی گڑھ)

عبدالحی فلاحی (جامعہ ملیہ دہلی)

جاوید اشرف فلاحی (جامعۃ الفلاح)

عبید اللہ فہد فلاحی (جامعۃ الفلاح)

قیمت فی شمارہ ایک روپیہ -/۱

سالانہ زر تعاون دس روپیے -/۱۰

آئینہ ترتیب!

۱۔ اپنی باتیں

میخانۂ مغرب کے انداز نرالے ہیں! ادارہ ۲

۲۔ ہدایات ربانی

روزِ قیامت ناکامی کے اسباب مولانا جلیل احسن ندوی ۵

۳۔ فکر و نظر

مولانا علی میاں اور تحریک اسلامی عبید اللہ فہد فلاحی ۱۱

ملکی امن و امان اور اقلیتوں کا تحفظ ابو صالح فلاحی ۱۹

وہ دورِ سعادت پھر آسکتا ہے مولانا عنایت اللہ سبحانی ۲

۴۔ مطالعۂ سیرت

رسولِ اکرمؐ ۔ ایک عظیم سیاسی رہنما! اشتیاق دانش فلاحی ۲۵

۵۔ فنِ کتابت

ابن بواب اور یاقوت مستعصمی بدر جمال اصلاحی ۳۲

۶۔ عالمِ اسلام

شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے طارق فاروقی علیگ فلاحی ۳۰

انجمن طلبۂ قدیم

جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میخانۂ مغرب کے انداز نرالے ہیں

مغرب کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے، دینیات کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی خوب سمجھتا ہے کہ موجودہ دور میں اسلام کو آؤٹ آف ڈیٹ قرار دینے میں انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے، اس کی تعزیرات کو وحشیانہ سزائیں کہا، اس کے قوانین کو قبروں کے دور کی پیداوار کہا جو موجودہ ترقی یافتہ دور میں ناممکن النفاذ ہے، اس کی عبادات و مناسک کو دور توہم و خرافات تک محدود کرنے کی کوشش کی، پردہ، تعدد ازدواج جیسے مہذب اور شائستہ قانون کو عورت کی آزادی کے خلاف قرار دیا، غرضیکہ اس کو ایک جنگجو اور وحشیانہ مذہب ثابت کرنے میں اپنی پوری تکنیک استعمال کی ہے، لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے، ان ساری ناپاک سازشوں کے باوجود اسلام نہ صرف یہ کہ اپنی اصلی شکل میں مسلمانوں کی اکثریت کے قلوب و اذہان میں محفوظ رہا اور پوری امت کے دین پسند عناصر اسی کی شمع خیر و ہدایت کی طرف رجوع کرتے اور اس سرچشمۂ فوز و فلاح سے سیراب ہوتے رہے بلکہ غیروں کو بھی اس نے متاثر کیا اور اپنے اخلاقی و تمدنی، معاشی و معاشرتی اور سیاسی و روحانی نظام حیات کے ذریعہ دنیا کی کثیر آبادی کو حلقہ بگوش بنا لیا، بڑے بڑے محققین نے اپنی تحقیق و انکشافات کے دوران اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیا۔ اقلیم علم و فضل کے شہنشاہ اور تاجداران تہذیب و تمدن نے اس کی [illegible] اور تہذیبی بالاتری کو تسلیم کر کے اس کی اشاعت کیلئے اپنے کو پیش کر دیا، غرضیکہ فاتح خود مفتوح ہو گئے اور انہیں ختم کرنے والوں سے اسلام کو بہترین پاسبان فراہم ہو گئے، امریکہ روس، جاپان، برطانیہ، ملائیشیا اور دوسرے ممالک میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور اب تو تمام مخالف طاقتیں اپنے کان کھڑے کر چکی ہیں۔

ادھر مسلم ممالک میں بھی بیداری کی لہر دوڑ چکی ہے۔ آج مغربی سامراج کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم ہو چکا ہے، امریکی و روسی بلاکوں کو ڈس لینے کے بعد اب ایک نیا بلاک قائم کرنے پر غور ہو رہا ہے، ایسی تحریکیں مضبوط بنیادوں پر ابھر چکی ہیں، جو مغربی سامراجیت اور روسی مارکسیت کے خلاف صف آرا ہو چکی ہیں اور افراد و ملت کو ساتھ لیکر اسلامی انقلاب برپا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ایران پاکستان، سوڈان میں واضح طور پر اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں آ رہا ہے اور افغانستان، مصر اور ترکی میں اس کے لئے راہیں ہموار ہو رہی ہیں، انڈونیشیا، عراق، شام، تیونیشیا اور مراکو وغیرہ میں منظم جدوجہد شروع ہو چکی ہے۔

مغربی پریس بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو چکا ہے کہ عالم اسلام میں صلاح الدین جاگ اٹھا ہے جو تمام صلیبی طاقتوں کو زیر کر سکے گا۔ انھیں اس کا خدشہ ہے کہ اکیسویں صدی اسلامی جمہوریتوں کی صدی ہوگی آج پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچا ہوا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں تل ابیب میں علماء نے ہونے والی کانفرنس میں اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف تشویش کا اظہار کیا جا چکا اور عرب فلسطینیوں کے اندر دینی قیادت کے ابھرنے کے امکانات کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ واشنگٹن پوسٹ ہاؤس نے صدر کارٹر کے مشیر کی طرف سے دنیائے اسلام کی تمام اسلامی تحریکوں کا جائزہ لینے کے احکامات صادر ہو چکے ہیں۔ اسرائیلی طاقت الگ پیچ و تاب کھا رہی ہے کمیونسٹ تو ازل سے اسلام دشمن تھے ہی اس موقع سے وہ فائدہ کیوں نہ اٹھاتے۔ چنانچہ افغانستان میں عوام کی اسلامی تحریک اور جمہوری انقلاب کچلنے کے لیے سارے وسائل و ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں۔ مغربی صحافت کا اس میں موثر کردار ہے وہ صلیبی جذبات کے تحت اسلام دشمنی برابر آ رہے ہیں، لیکن بظاہر وہ کھلے دل سے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں، اس کی جامع و مانع خوبیوں اور خصوصیتوں کو وہ تسلیم کرتے ہیں اور اس صدی کو اسلامی جمہوریہ کا آغاز قرار دیتے ہیں لیکن اس سے ان کا مقصد اسلامی نظام کو کلمۂ ترحیب کہنا اور مسرت شادمانی کا اظہار کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ دنیا کی اسلام دشمن طاقتوں کو چوکنا کرنے اور اسلام کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے پر زور دینے کے لئے کرتے ہیں حال ہی میں لندن کے مشہور و معروف رسالے Economist نے جنوری ۱۹۷۹ء کے شمارے میں ایران کے انقلاب کا پس منظر عریاں طور پر لکھا ہے کہ: "اسلامی دنیا کا صلاح الدین جاگ اٹھا ہے اور ان کے سیاسی معاشی مفادات کو تہس نہس کر رہا ہے۔" ٹھیک اسی طرح

امریکہ کے ٹائم میگزین نے پچھلے مہینے میں مسلم دنیا میں اسلامی تحریکوں کے عروج کا تذکرہ کیا اور اپنے معاشی و سیاسی مفادات کے چھن جانے پر مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ کویت سے نکلنے والے عربی ہفت روزہ البلاغ نے ۲۴ مارچ ۱۹۷۹ء کے شمارے میں ایک خصوصی مضمون "ریاح البعث الاسلامی تقلق العالم الغربی" (عالم اسلام کی بیداری کی لہریں مغرب کو رنجیدہ کر رہی ہیں) شائع کیا ہے جس کے آغاز میں مقالہ نگار ابوبکر القادری نے لکھا ہے کہ یہ ہیڈنگ ہم نے نہیں قائم کی ہے بلکہ مغربی جریدے ہیرالڈ ٹریبیون کی قائم کی ہوئی ہے جس کا مصنف ایک مغربی ہی ہے اس نے پوری دنیا میں اسلامی تحریکوں کا جائزہ لیا ہے اور ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو مغرب کیلئے خطرے کا نشان کہا ہے استاذ ابوبکر القادری لکھتے ہیں کہ "فرانسیسی، انگریزی، امریکی اور صیہونی تمام ہی صحافتیں اسلام کی طرف مسلمانوں کی بازیابی پر تشویش کا اظہار کر رہی ہیں، فرانسیسی اخبار "لوموند" برابر اسلام پیغمبر اسلام اور اسلامی بیداری پر مقالات شائع کر رہا ہے"

امریکی ٹائم کہتا ہے: — "یہ اسلامی بیداری صرف مصر ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں گہری چھاپ اس کی ایران پر ہے اور پاکستان تو اسلامی تحریک کا گڑھ ہے۔ اسی طرح انڈونیشیا اور بعض دوسرے مسلم ملکوں میں بھی اس کے آثار صاف نظر آ رہے ہیں۔ افریقہ میں تو اسلام نے مسیحیت اور دوسرے مقامی مذاہب کے مقابلے میں کہیں زیادہ اثر و نفوذ اور عوامی طاقت حاصل کر لی ہے۔ آج عالمی سطح پر بیت المقدس کے چھن جانے کے بعد اسلامی اتحاد اور دینی شعور کے جذبے نمایاں ہیں"

آگے مسلمانوں کی مغرب دشمنی کی وجہ بتاتا ہے: — "مسلمان

مغرب سے نفرت کرنے لگے ہیں کیونکہ عالم اسلام کے انحطاط میں ان کے خیال کے مطابق مغربی ممالک کا سب سے زیادہ ہاتھ رہا ہے۔ مغربی حضرات نے عالم اسلام کو ذلیل و کمزور بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔" مقالہ کے اختتام پر کہا ہے:- "آج مغربی سامراج کے خلاف عام طور سے تنفر پیدا ہو چکا ہے، کچھ لوگ ہیں جو مارکسیت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ایک دوسرا گروہ ہے جو سرمایہ داری کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے۔ مقالہ اس الزام پر ختم ہوتا ہے:- "آج مغرب خطرے میں ہے۔ اپنی سابق مکارانہ کامیابی کی وجہ سے آج اپنا اعتماد کھو چکا ہے، آج وہ مہنگائی اور ارزانی کے معاملہ میں بے دست و پا ہوتا نظر آ رہا ہے۔" انگلش جریدہ گارجین نے اس اسلامی بیداری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:- "یہ اسلامی بیداری وطن پرست لیڈروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ آج اس اسلامی اٹھان کو جو قوت حاصل ہو چکی ہے وہ ماضی قریب میں کسی کو حاصل نہ تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ کمال اتاترک، جمال عبدالناصر، رضا شاہ پہلوی اور صدر سوئیکارنو نے ان تحریکوں کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن ان کے عزم و ارادے میں استحکام اور تحریک میں جان پڑتی چلی گئی، جتنا ہی انہیں دبانے کی کوشش کی گئی اتنا ہی ان میں ابھار آتا گیا جس کے دو اہم اسباب ہیں، پہلا سبب یہ ہے کہ آج یہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے کہ مغرب جیسی زبردست قوت حاصل تھی آج اپنے ہی کرتوتوں کی بدولت مختلف قسم کی پریشانیوں، مشکلات اور بحران کا سامنا کر رہا ہے اور دوسری وجہ عالم اسلام میں علاقائی تحریکوں کی [illegible]

اور حکمت عملی کا لحاظ نہ کرنا ہے۔

ہیرالڈ ٹریبون پہلے تو اس تشویش اور اضطراب کا اظہار کرتا ہے جس کا مظاہرہ امریکی ذمہ داران ایران کے حالیہ انقلاب پر کر رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ دوسرے مسلم ممالک میں بھی کوئی اسی طرح کی قیادت سامنے نہ آجائے، اور پھر کہتا ہے:- "حیرت ناک امر یہ ہے کہ یہودی ذمہ داران اور عرب ممالک کے سربراہان دونوں ان تحریکوں (اسلامی تحریکوں) کو خطرہ سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ سادات اور بیگن میں جلد سمجھوتہ ہو جائے اور کسی تاخیر کے بغیر کوئی نتیجہ نکل آئے۔"

مغربی صحافت کے یہ چند نمونے یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ جہاں مغرب کے میکدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں ہوس کی خونریزیاں چھپائی ہیں عقل عیار کی نمائش لیکن اقبال مرحوم نے بڑی سچی بات کہی ہے۔

الٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

اسلامی حمیت! برطانیہ کی ٹی وی ڈرامہ پارٹی نے [illegible] میں ایک عریاں رقص و سرود کا پروگرام پیش کیا اور تحسین کی بھارت کے مشہور صحافی مولانا ظفر علی خاں مرحوم کو شکریہ ادا کرنے کیلئے بلایا گیا تو مولانا نے جواب دیا:- "یہ مخرب اخلاق رقص بے حیائی اور بے غیرتی کا مظاہرہ، انگریزی تہذیب میں تو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام اس بے حیائی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں ایسے حیا سوز مظاہرہ کا شکریہ ادا کروں۔"

مولانا جلیل احسن ندوی، جامعۃ الفلاح بلریاگنج

روزِ قیامت ناکامی کے اسباب!

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ۝

(مدثر، آیت ۴۲ تا ۴۷)

کس چیز نے تم کو یہاں جہنم میں پہونچایا؟ وہ جواب دیں گے: ہم (دنیا میں) نماز نہیں پڑھتے تھے، ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، ہم خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات پر اعتراض اور شکوک و شبہات وارد کرتے تھے اور ہم حساب و جزا کے دن کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ مرنے کے بعد اور یہاں عالم آخرت میں پہنچنے کے بعد آنکھوں سے دیکھ لیا کہ پیغمبر ٹھیک کہتے تھے اور کتاب یقینی[1] بات پیش کرتی تھی۔

سورۂ مدثر کا یہ مکالمہ جو یہاں درج ہوا ہے اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے اور یہ سوال و جواب اہل جنت و اہل دوزخ کے درمیان ہوگا۔ ان آیتوں سے اوپر یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ اہل جنت جب جنت میں پہونچ جائیں گے تو پھر آپس میں باتیں کریں گے (گفتگو کے درمیان انھیں وہ لوگ یاد آجائیں گے جنھوں نے ایمان لانے کے جرم میں انھیں ستایا تھا جنھوں نے خدائی تعلیمات کا، اس کی بھیجی ہوئی کتاب کا مذاق اڑایا تھا، جنھوں نے لایعنی اعتراضات کئے تھے، جنھوں نے دعوتِ اسلامی کا راستہ روکنے کے لئے ہزاروں بے معنی شکوک و شبہات کے طوفان اٹھائے تھے ان کو توحید کی دعوت دی گئی ان سے کہا گیا کہ اپنے رب کے بندے بنو، اس کی بندگی میں کسی اور کو ساجھی نہ بناؤ۔ کیونکہ تمہاری ربوبیت میں کسی اور کا کچھ ساجھا نہیں۔ ایک وفادار غلام اپنے بہترین آقا کے لئے جیسا کچھ ہوتا ہے ویسے غلام بنو اپنے پروردگار کے۔ وہی تمہارا مرکز محبت ہو، وہی تمہارا سہارا ہو، وہی تمہارا معبود ہو، وہی تمہارا حاکم اور فرماں روا ہو، اسی کی راہ پر چلو اور دنیا میں اس کی مرضی پوری کرنے کیلئے جان لڑا دو — خلاصہ یہ کہ وہی ایک تمہارا "سب کچھ" ہو اور تم بھی اس کے سب کچھ بن جاؤ اور اس بے میل توحید اور مکمل غلامی کی جو کہا

[1] عام طور سے مفسرین نے اس آیت میں الیقین کی تفسیر موت سے کی ہے۔

نماز کی علامت کے طور پر الصلوٰۃ (نماز) کی دعوت دی گئی جو ایمانی دعوت کی بنیاد اول ہے، پر انھوں نے مصلّین کی جماعت میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کے خلاف محاذ بنایا۔ اسی کے ساتھ الدعوت کی گئی تھی کہ یہ پورا معاشرہ سگے بھائیوں کا معاشرہ ہے، تمام انسان بھی بس سگے بھائی ہیں، کیونکہ یہ سب ایک ماں (حوّا) اور ایک باپ (آدم) کی اولاد ہیں۔ اس لئے انھیں آپس میں دو سگے بھائیوں کی طرح رہنا چاہئے اور تمھارے سگے بھائیوں میں جو لوگ کمزور ہیں ان کی کمزوری کو دور کرو، جو لوگ بے سہارا ہوں انھیں سہارا دو، جن کی معاشی حالت گر گئی ہو ان کی مدد کرو تاکہ وہ پاؤں پر کھڑے ہو جائیں، جو لوگ بھوک کا شکار ہو جائیں ان کے لئے غذا فراہم کرو، غرض جو جس پہلو سے مدد کا محتاج ہو اس کی مدد کرو ۔۔۔ لیکن انھوں نے اس بنیاد کو بھی نہیں مانا بلکہ اس کا مذاق اڑایا اور اس کی طرف بلانے والوں سے کہا کہ تم لوگ بہت گمراہ کن قسم کی دعوت لے کر اٹھے ہو ۔۔۔ پھر ان کے سامنے یہ حقیقت رکھی گئی کہ جزا و سزا کے دن کا آنا یقینی ہے جو ان دونوں بنیادوں اور ان کے تقاضوں پر اپنی زندگی کی عمارت اٹھائیں گے وہ دائمی راحت سے ہمکنار ہوں گے اور ان بنیادوں کو جھٹلانے والے دائمی سزا اور کبھی نہ ختم ہونے والے دکھ کا نشانہ بنیں گے، تو انھوں نے یہ کہا کہ بالکل غلط، بالکل جھوٹ، جزا و سزا کے جس دن کی تم خبر دے رہے ہو وہ کبھی نہ آئے گا، تم لوگ جھوٹی باتیں کر رہے ہو۔

اوپر ہم نے قدرے تفصیل سے انبیائی قرآنی دعوت کا ذکر محض اس لئے کیا ہے کہ اہل دوزخ کا جواب اچھی طرح روشنی میں آجائے اور بعد میں جو آیتیں آ رہی ہیں انھیں بھی اس تفصیل کی روشنی میں سمجھا جا سکے۔

یہ آیتیں صاف صاف بتاتی ہیں کہ اہل جنت آپس میں کس موضوع پر بات چیت کریں گے۔ ان کی گفتگو کا موضوع ان کی ایمانی زندگی ہوگی۔ ان کے دل خدائے رحمٰن کی حمد و ثنا اس کے شکریے سے سرشار ہوں گے کہ اس نے اپنا رسول بھیجا، اپنی کتاب اتاری اور ہمیں ایمانی دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق بخشی اور اس کی توفیق ارزانی سے ہمیں دارالسلام (سلامتی کے گھر) میں جگہ ملی۔ دنیا میں ہم نے ایمان لانے کے بعد بڑی تکلیف اٹھائی۔ یوں ارباب اقتدار کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے، اور ہر روز ہر گلی کوچہ میں قوم کے سرداروں، اعزہ اور رشتہ داروں کے ہدف ملامت بنے، گھر سے نکالے گئے، زندگی بھر کی کمائی سے یوں ہاتھ دھونا پڑا، غرض پوری ایمانی دعوتی زندگی کی روداد ایک دوسرے کو سنائیں گے۔ اسی دوران میں انھیں دعوت اسلامی کے مخالفین یاد آ جائیں گے اور پوچھیں گے بھائیو! وہ ہمارے مخالفین کیا ہوئے، ان کا حشر کیا ہوا، وہ تو دوزخ میں پہنچے! چلو ذرا جھانک کر دیکھیں! چنانچہ وہاں جھانکیں گے، انھیں دیکھیں گے اور پوچھیں گے کہ کن جرائم کی پاداش میں تمھارا یہ حشر ہوا، وہ کہیں گے کہ ہم نے توحید کا انکار کیا، ہم نے توحید کی عملی شکل نماز کا انکار کیا، ہم مصلّین (نمازیوں) کی جماعت میں شامل نہ ہوئے اور ہم نے دعوت کی دوسری بنیاد مواسات (مرحمہ، ہمدردی و غم خواری) کا انکار کیا، غریبوں کی مدد نہیں کرتے تھے۔ (باقی صفحہ ۲۹ پر)

مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی سابق استاذ جامعۃ الفلاح بلریا گنج

وہ دورِ سعادت پھر آ سکتا ہے!

(سید قطب شہیدؒ کے فکر سے استفادہ کرتے ہوئے)

یاد رکھئے کتاب الٰہی کے حقائق و معارف وہ موتی ہیں جن سے دامن بھرنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے کو بالکل ان کے عوض بیچ دیا جائے۔ نفسانی خواہشات سے کلی طور پر دستبردار ہو کر اپنے کو ان کے حوالے کر دیا جائے اور ان کے سارے تقاضوں اور سارے مطالبات کا احترام کیا جائے۔ یاد رکھئے یہ کوئی فنی اور ادبی کتاب نہیں، کوئی تاریخی یا کلامی کتاب نہیں، کوئی ایسی کتاب بھی نہیں جس سے تفریح خاطر کا کام لیا جائے۔ یہ ساری چیزیں بلا شبہ اس کے اندر موجود ہیں لیکن ظاہر ہے یہ کتاب الٰہی کی اصل حیثیت نہیں۔ کتاب الٰہی کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ دستورِ حیات ہے، وہ ایک نظام زندگی ہے خالص خدائی نظام زندگی۔

اس مثالی نسل کی تشکیل کرنے والی ایک خاص چیز یہی تھی کہ انھوں نے اس کتاب کو اپنے لئے دستورِ حیات سمجھا، اس کے سارے ہی احکام کو لپک کر نافذ کیا اور زندگی کی ساری ہی سرگرمیوں میں اس کا جان و دل سے احترام کیا۔

پھر جوں جوں بعد کی نسلوں میں سرد مہری اور ذہنی تحفظات آتی گئیں، وہ اس پہلی مثالی نسل سے مختلف ہوتی گئیں۔ آج موجودہ نسل کی جو قابلِ رحم حالت ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہمارا رشتہ قرآن سے بالکل ہی ٹوٹ گیا ہے اور اگر کچھ ہے تو صرف ذہنی اور فکری حد تک ہے، یا اس پہلو سے ہے کہ وہ تلاوت و ترنم اور حسنِ صوت کا شاہکار ہے۔ عملی لحاظ سے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنے کو تیار ہیں کہ جس وقت قرآن کے معانی نے مسلمانوں کے دلوں کو جھنجھوڑ دیا تھا، اس وقت مسلمانوں نے سارے عالم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، جس وقت اس کے حقائق نے ان کی عقلوں کو فتح کر لیا تھا اس وقت انھوں نے ساری دنیا کو فتح کر لیا تھا اور جس روز اس کے اصول و مبادی نے ان کے عادات و اخلاق اور ان کی نفسانی خواہشات پر غلبہ حاصل کر لیا تھا، اس روز سارے عالم کو انھوں نے زیرنگیں کر لیا تھا۔ آج بھی تاریخ اپنے کو دہرانے کیلئے تیار ہے اگر [illegible]

اپنا طرزِ عمل بدلنے پر آمادہ ہو جائیں۔ بقول ایک حکیم دانا کے پہلے لوگ قرآن کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی سیکھتے تھے، پھر لوگ قرآن کو پڑھتے لیکن اس پر عمل نہ کرتے۔ آج لوگ قرآن پڑھتے ہی نہیں نہ اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ہم میں اور ان لوگوں میں فرق کیوں نہ ہو؟

آج مسلمانوں کے پاس قرآن پاک کے جتنے نسخے ہیں، قرنِ اول میں اتنے ہرگز نہ تھے، بلکہ اگر حساب لگایا جائے تو شاید ایک اور ہزار کی بھی نسبت نہ ہو لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پہلے قرآن پاک کی جتنی تلاوت ہوتی تھی آج اس کی عشرِ عشیر بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہی نہیں، آج قرآن پاک کی جتنی تلاوت ہوتی ہے، فکر و تدبر، حقیقی شوق اور جوشِ عمل کے جذبے سے یکسر خالی ہوتی ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ ذہن و دماغ کی بستی میں بسانے اور اعضاء و جوارح کو عملی صورت اس کا تابع بنانے کے لئے تیار ہو، پھر ظاہر ہے، ہم اس میں وہ تاثیر کہاں محسوس کر سکتے ہیں جو ہمارے اسلاف کیا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن کی وہی حیثیت ہے جو کسی بے وقوف اور ناتجربہ کار انسان کے ہاتھ میں ایک نہایت تیز اور چمکدار تلوار کی ہو سکتی ہے۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں، قرآن مسلمانوں کے ہر مسئلے کا حل، ان کے ہر دکھ کا مداوا اور ان کے ہر اضطراب کے لئے نسخۂ شفا ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو ہر مرحلے پر مسلمانوں کی دستگیری اور نازک سے نازک موقع پر ان کی چارہ گری کر سکتی ہے۔ کاش ہم اس حقیقت کو سمجھ سکتے۔

عجیب بات ہے۔ آج باطل قومیں جن کے پاس کوئی مذہبی کتاب ہے، وہ اس کتاب کی نشر و اشاعت اور اس کا دائرۂ اثر و تعارف بڑھانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں۔ اس کے لئے ان کے یہاں بے شمار انجمنیں ہیں جو اس کی ترویج و اشاعت کے لئے مستقل منصوبے بناتی ہیں۔ ان کے یہاں لاکھوں اور کروڑوں کا فنڈ ہے، جو اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے اور اس کے لئے ہر قسم کی آسانیاں پیدا کرنے کے لئے صرف ہوتا ہے۔ ان کے یہاں ہزاروں اور لاکھوں انسان ایسے ہیں جو اس کتاب کے نام پر وقف ہیں، ان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچیں اور ان کے ذہنوں کو اس کے لئے ہموار کریں۔ یہ کن کتابوں کا حال ہے؟ یہ ان کتابوں کا حال ہے جن کے اندر انسانی ذہن کے لئے کوئی کشش اور کوئی آسودگی نہیں۔ یہ ان کتابوں کا حال ہے جو درد و کرب سے کراہتی ہوئی انسانیت کے لئے اپنے اندر کوئی پیغامِ سکون نہیں رکھتیں، لیکن پھر بھی یہ لاتعداد انسانوں کی توجہات کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ مگر آہ.... قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے قدردان ناپید ہیں، جب کہ تنہا یہی کتاب ہے جو بھٹکتی اور ٹھوکریں کھاتی ہوئی انسانیت کے لئے مشعلِ راہ بن سکتی ہے، جبکہ تنہا یہی وہ کتاب ہے جو انسانیت کو اس کا کھویا ہوا سکون پھر واپس دلا سکتی ہے، جو بے چین دلوں کو چین اور مضطرب ذہنوں کو سکون کی دولت سے پھر مالا مال کر سکتی ہے۔ آہ.... تاریخِ عالم کا یہ ایک ایسا المناک سانحہ ہے، جس پر جتنا بھی رویئے کم ہے۔

جتنا بھی ماتم کیجئے تھوڑا ہے ، اگر اور کتابوں کیلئے اربوں روپیے بہائے جا رہے ہیں تو کیا یہ کتاب الٰہی اس بات کی بھی سزاوار نہیں کہ ہم اس پر ان کا دسواں حصہ بھی صرف کر دیں ، اگر اور کتابوں کی ترویج و اشاعت کے لئے لاکھوں انسان مستعد اور سرگرم کار ہیں ، تو کیا یہ کتاب الٰہی اس کی بھی سزاوار نہیں کہ اس کے لیے ہم میں سے سو آدمی خاص ہو سکیں ! اور اگر اور کتابوں کی تعلیم کے لئے ہزاروں مدارس قائم ہیں تو کیا یہ قرآن — آہ ...... یہ قرآن اس کا بھی سزاوار نہیں کہ اس کی تعلیم کے لئے سو پچاس مدرسے قائم ہو جائیں ؟

ہم میں اور اس مثالی نسل میں غیر معمولی فرق ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہے اس وقت کوئی شخص اسلام میں آتا تو اسی دم جاہلیت کا پورا لبادہ اتار کر کنارے ڈال دیتا جس وقت وہ اسلام کی آغوش میں آتا وہ محسوس کرتا گویا وہ ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہے جو اس کے دورِ جاہلیت سے بالکل مختلف ہے ۔ اب وہ جاہلی زندگی کی ہر چیز کو شک کی نگاہوں سے دیکھتا اور اس سے اس طرح بھاگتا جیسے کوئی لطیف ذوق غلاظت کے کسی ڈھیر سے اب اسے جاہلیت کی ہر چیز پلید اور بدنما معلوم ہوتی اور اسلام کی ہر شے انتہائی خوشنما اور حسین و دلکش نظر آتی ہے اگر وہ کبھی اتفاق سے خواہشاتِ نفس سے مغلوب ہو جاتا یا راہ حق کی حوصلہ شکن آزمائشوں سے قدم پیچھے ہٹ جاتے تو دوسرے ہی لمحے اسے ہوش آ جاتا ، وہ پھر شوق و جذبہ کی والہانہ کیفیت کے ساتھ اسلام کو سینے سے لگا لیتا ، اور پھر ایک نئے عزم اور تازہ ولولے کے ساتھ اپنی حیات نو کا آغاز کرتا۔

اس وقت کا مسلمان اپنی اس زندگی سے انتہائی متنفر اور بیزار ہوتا جو کبھی نظام جاہلیت کے زیر سایہ گزری ہوتی ۔ اب اس کا حال اس کے ماضی سے بالکل مختلف ہوتا ، اب اس میں اور جاہلیت میں اتنا ہی بعد ہوتا جتنا زمین کے دونوں سروں میں ۔ گرد و پیش کے جاہلی ماحول سے اس کے تعلقات کی نوعیت بالکل بدل جاتی اگر وہ تجارتی سرگرمیوں میں جاہلی ماحول سے قریب ہوتا تو ذہنی اور فکری اعتبار سے اس سے انتہائی دور ہوتا ۔ وہ جاہلیت کے افکار و تصورات اس کے عقائد و تخیلات اور اس کے رسم و رواج سے بالکل ہی دامن جھاڑ لیتا اور اب وہ کلی طور سے اسلام اور نظام اسلام کا پابند ہوتا ، اس وقت اقتدار وقت کی پیشانی پر بل بھی آتا ، لیکن وہ اس کی کوئی پرواہ نہ کرتا ، اس وقت اسے انتہائی زہرہ گداز مراحل سے بھی گزرنا پڑتا لیکن وہ صبر و استقامت کے ساتھ سب کچھ انگیز کرتا ، اس وقت اسے نظام جاہلیت کے انتہائی بھیانک اور لرزہ خیز مظالم کا بھی ہدف بننا پڑتا ، لیکن اس کے پائے ثبات و استقلال میں ذرا بھی ضعف نہ آتا ۔

آج ہم اسی جاہلیت سے دوچار ہیں جس سے اُس دور کا مسلمان دوچار تھا ، بلکہ آج کی جاہلیت اور زیادہ بھیانک اور وحشت ناک ہے ، ہمارے گرد و پیش جو کچھ ہے سب پر جاہلیت کی چھاپ ہے ..... لوگوں کے عقائد و تصورات ان کے عادات و اخلاق ، ان کے رسوم و رواج ، ان کی

تہذیب و تمدن، ان کے علوم و فنون ان کے دستور و قوانین حتیٰ کہ جن چیزوں کو ہم اسلامی تہذیب کہتے ہیں جن کا نام ہم اسلامی فلسفہ اور اسلامی فکر رکھتے ہیں، ان میں سے بیشتر چیزیں جاہلیت کی پیداوار ہیں۔

اگر آج ہم اسلامی قدروں کو اپنانے میں ناکام ہو رہے ہیں، اگر آج ہمارے ذہن صحیح اسلامی تصور سے ناآشنا ہیں، اگر آج ہمارے اندر اس قسم کی مثالی نسل نہیں وجود میں آ رہی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے اور صرف یہی ہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرن اول کی اس مثالی نسل کی خصوصیات ہمارے اندر پیدا ہو جائیں اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری تربیت بھی اسی انداز کی ہو جیسی اس مثالی نسل کی ہوئی تھی تو یاد رکھئے ہمیں وہی طرز اپنانا ہوگا جس کو اس نے اپنایا تھا، ہمیں اسی نہج پر اپنے سیرت و کردار کی تعمیر کرنی ہوگی، جس نہج پر اس نے کی تھی، ہمیں انھیں خطوط سے اپنے سفر زندگی کا آغاز کرنا ہوگا جن خطوط سے اس نے کیا تھا اور ہمیں اسی سرچشمۂ رزق سے غذا حاصل کرنی ہوگی جس سے اس نے کیا تھا، وہ خطوط سفر کیا تھے؟ وہ سرچشمۂ رزق کون سا تھا؟ — وہ قرآن تھا — صرف قرآن، تنہا قرآن ہی وہ سرچشمۂ رزق ہے جس سے آسودہ ہو کر ہم دنیا کو آسودہ کر سکتے ہیں، تنہا قرآن ہی وہ مشعل راہ ہے جس کو ہاتھ میں لے کر ہم تاریکیوں کے دبیز پردے چاک کرتے ہوئے ترقی کی منزلیں طے کر سکتے ہیں، اگر ہمیں اس گزرے ہوئے دور سعادت کو پھر لانا ہے، تو یاد رکھئے سب سے پہلے ہمیں قرآن کو سینے سے لگانا ہوگا، اسی کے ہاتھ میں اپنی نکیل کو دینا ہوگا، ہمیں اپنی پوری زندگی قرآن ہی کیلئے وقف کر دینا ہوگا، ہمیں بار بار اسے پڑھنا اور اپنے اندر جذب کرنا ہوگا، ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ قرآن ہم کو کیا بنانا چاہتا ہے؟ وہ ہمارے لئے کیا سوچ رکھتا ہے؟ وہ ہمیں کس رنگ میں رنگنا اور کس سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے، اس کے ساتھ ہی ہمیں نظام جاہلیت کا مکمل بائیکاٹ کرنا ہوگا۔ اس کے افکار و تصورات اس کے عقائد و نظریات اور اس کی طرف سے متوقع مفادات سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔ اگر وہ ہمیں حرص و طمع کے دام زریں میں گرفتار کرنا چاہتا ہے تو ہمیں پوری شان بے نیازی کے ساتھ اس کے نذرانوں کو اس کے منہ پر مار دینا ہوگا، اگر وہ دین و قرآن کے خلاف محاذ قائم کرتا ہے تو ہمیں صف بستہ ہو کر اس کے مقابلے سینہ سپر ہو جانا پڑیگا، کیونکہ آپ بھی جانتے ہیں باطل سے کسی قیمت پر بھی صلح نہیں کرتی ہے اگر وہ کسی بھی قیمت پر صلح کی پیشکش کرتا ہے تو اس کی اس پیشکش کو رد کر دینا ہوگا۔ یاد رکھئے اگر ہم نے دین کے سلسلے میں ذرا بھی رواداری کا ثبوت دیا تو یہ دین پر عمل نہ ہوگا۔ دین و قرآن کے ساتھ کھلا ہوا مذاق ہوگا۔ میں پوری دلسوزی کے ساتھ کہتا ہوں، اگر نظام جاہلیت کو راضی رکھنے کے لئے یا اس کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے ہم نے کسی بھی حکم شریعت کے خلاف کیا تو یہ پورے دین پر تیشہ چلانا ہوگا، یہ پوری بنا شریعت کو ڈھانا ہوگا، ہم کو باطل سے صلح نہیں کرنا ہے، باطل کو نیست و نابود کرنا ہے اس کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دینا ہے، ہم کو دنیا کے ایک ایک گوشے سے اور زندگی کے ایک ایک شعبے سے جاہلیت کا اقتدار ختم کرنا ہے۔ (باقی .....)

دوسری قسط

عبید اللہ فہد فلاحی

مولانا علی میاں اور تحریک اسلامی

کیا انسان اور خدا کا تعلق محض حاکم و محکوم کا ہے؟

اس عنوان کے تحت مولانا علی میاں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا مودودی کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" اور ان کی بیشتر تحریروں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان کا اصل تعلق اور رشتہ حاکم و محکوم کا رشتہ اور رعیت و حکومت کا تعلق ہے اور اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ میں اصل حیثیت اس کے مقتدر اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کی ہے اور گویا انبیاء علیہم السلام کی بعثت، صحف سماوی کے نزول اور دعوت و تبلیغ کا اصل مقصد و مدعا صرف خدا کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرانا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا ہے، پھر آگے چند اسماء و صفات خداوندی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان اسماء و صفات اور ان افعال الٰہی کے ذکر کا جن سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے، صاف تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دل و جان سے محبت کی جائے، اس کی طلب رضا میں جان کھپا دی جائے اس کی حمد و ثنا کے گیت گائے جائیں، اٹھتے بیٹھتے اس کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے، اسی کی دھن ہر وقت دل و دماغ میں سمائی رہے، اس کے خوف سے انسان ہر وقت لرزاں و ترساں رہے، اسی کے سامنے دست طلب ہر وقت پھیلا رہے، اسی کے جمال جہاں آرا پر ہر وقت نگاہیں جمی رہیں، اسی کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے ...... مٹا دینے حتیٰ کہ سر کٹا دینے کا جذبہ بیدار رہے[1]:

قطع نظر اس سے کہ کسی کی کامل اطاعت اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ اس سے دل و جان سے محبت، اس کا احترام و تعظیم، اس کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے کا جذبہ نہ بیدار رہے[2]، اور رعایا اپنے بادشاہ کی خوشدلی سے فرمانبرداری

[1] عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ص ۵۵

[2] علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری لکھتے ہیں کہ محبت ادب و توقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی اتباع و اطاعت پر آمادہ کرتی ہے تنظیم بھی تعظیم وہی ہے جس کا منشا محبت ہے اور اکرام وہی اکرام ہے جس کا سبب محبت ہو۔
(رحمۃ للعالمین جلد سوم ص ۲۲۳)

اس وقت تک تسلیم نہیں کر سکتی اور اپنے دل کے سنگھاسن پر اس وقت تک نہیں بٹھا سکتی جب تک اس سے روحانی عقیدت نہ پائی جائے اور اس کے ساتھ ہی وہ محبت اور شیفتگی بھی بیکار ہے جس میں اطاعت بھی شامل نہ ہو، وہ عشق و خلوص اور اخلاص و صفائے قلب بے معنی ہے جس میں اس کے احکام کو مکمل تسلیم کرنے اور انہیں اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی اسپرٹ موجود نہ ہو ___ ہم نیچے مولانا مودودی کی تحریروں سے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں جس کی روشنی میں آپ مولانا علی میاں کے اس اعتراض کو سمجھنے کی کوشش کریں :-

"اب احسان کو لیجئے جو اسلام کی بلند ترین منزل ہے، احسان دراصل اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے ساتھ اس قلبی لگاؤ اس گہری محبت، اس سچی وفاداری اور فدویت و جاں نثاری کا نام ہے جو مسلمانوں کو فنافی الاسلام کرے۔ تقویٰ کا اساسی تصور خدا کا خوف ہے جو انسان کو اس کی ناراضی سے بچنے پر آمادہ کرے اور احسان کا اساسی تصور خدا کی محبت ہے جو آدمی کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ابھارے"

آگے احسان اور تقویٰ میں فرق واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"احسان کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد آپ خود ہی اندازہ کر لیں کہ جو لوگ اپنی آنکھوں سے خدا کے دین کو کفر سے مغلوب دیکھیں اور جن کے سامنے حدود اللہ پامال ہی نہیں بلکہ کالعدم کر دی جائیں، خدا کا قانون عملاً ہی نہیں بلکہ باضابطہ منسوخ کر دیا جائے۔ خدا کی زمین پر خدا کا نہیں بلکہ اس کے باغیوں کا بول بالا ہو رہا ہو، نظام کفر کے تسلط سے نہ صرف عام انسانی سوسائٹی میں اخلاقی و تمدنی فساد برپا ہو بلکہ خود امت مسلمہ بھی نہایت سرعت کے ساتھ اخلاقی و عملی گمراہیوں میں مبتلا ہو رہی ہو اور یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ان کے دلوں میں نہ کوئی بے چینی پیدا ہو، نہ اس حالت کو بدلنے کیلئے کوئی جذبہ ابھرے بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے نفس کو اور عام مسلمانوں کو غیر اسلامی نظام کے غلبہ پر اصولاً و عملاً مطمئن کر دیں۔ ان کا شمار آخر محسنین میں کس طرح ہو سکتا ہے اور اس جرم عظیم کے ساتھ محض یہ بات انہیں احسان کے مقام عالی پر کیسے سرفراز کر سکتی ہے کہ وہ چاشت اور اشراق اور تہجد کے نوافل پڑھتے رہے، ذکر و شغل اور مراقبے کرتے رہے، حدیث و قرآن کے درس دیتے رہے، جزئیات فقہ کی پابندی اور چھوٹی چھوٹی سنتوں کے اتباع کا سخت اہتمام فرماتے رہے اور تزکیہ نفس کی خانقاہوں میں دین داری کا وہ فن سکھاتے رہے جس میں حدیث، فقہ اور تصوف کی باریکیاں تو ساری کی موجود تھیں مگر ایک نہ تھی تو وہ حقیقی

۱۔ تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں ص ۲۳

دینداری جو دشمن و دوست دونوں سے داد وصول کرے
یزید کی کیفیت پیدا کرے اور "بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا" کے مقام وفاداری پر ہو جائے"[۱]

۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر کی گئی ایک تقریر میں مولانا محترم فرماتے ہیں:-

"آخری اور سب سے اونچی منزل احسان کی ہے۔ احسان کے معنی یہ ہیں کہ بندے کی مرضی خدا کی مرضی کے ساتھ متحد ہو جائے۔ جو کچھ خدا کو پسند ہے بندے کی اپنی پسند بھی وہی ہو اور جو کچھ خدا کو ناپسند ہے، بندے کا اپنا دل بھی اسے ناپسند کرے۔ خدا جن برائیوں کو اپنی زمین میں دیکھنا نہیں چاہتا، بندہ صرف خود ہی ان سے نہ بچے بلکہ انھیں دنیا سے مٹا دینے کے لئے اپنی ساری قوتیں اور اپنے تمام ذرائع صرف کر دے اور خدا جن بھلائیوں سے اپنی زمین کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے بندہ صرف اپنی ہی زندگی کو ان سے مزین کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی جان لڑا کر دنیا بھر میں انھیں پھیلانے اور قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس مقام پر پہنچ کر بندے کو وہ خدا کا انتہائی قرب نصیب ہوتا ہے اور اسی لئے یہ انسان کے روحانی ارتقاء کی انتہائی منزل ہے۔"[۲]

---

[۱] تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں صفحہ ۵۳

[۲] اسلام کا نظام حیات صفحہ ۲۲

اپنی ایک تقریر میں روزے کی حقیقت، مقصد اور اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ یہ بھوکا پیاسا رہنا اصل عبادت نہیں بلکہ عبادت کی صورت ہے اور یہ صورت مقرر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے اندر خدا کی محبت اور خدا کا خوف پیدا ہو اور آپ کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ جس چیز میں دنیا بھر کے فائدے ہوں مگر خدا ناراض ہوتا ہو، اس سے اپنے نفس پر جبر کر کے بچ سکیں اور جس چیز میں ہر طرح کے خطرات اور نقصانات ہوں مگر خدا اس سے خوش ہوتا ہو، اس پر اپنے نفس کو مجبور کر کے آمادہ کر سکیں۔ یہ طاقت اسی طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ آپ روزے کے مقصد کو سمجھتے اور مہینہ بھر تک آپ نے خدا کے خوف اور خدا کی محبت میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے اور خدا کی رضا کے مطابق چلانے کی جو مشق کی ہے اس سے کام لیتے۔"[۳]

ایک مقام پر مسلمان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مسلمان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تم میں اسلامی حمیت ہو، ایمانی غیرت ہو، اسلام کی محبت اور اپنے مسلمان بھائیوں کی سچی خیر خواہی ہو، تم خواہ دنیا کا کوئی کام کرو اس میں اسلام کا مفاد اور مسلمانوں کی بھلائی ہمیشہ تمہارے پیش نظر

---

[۳] خطبات حصہ سوم صفحہ ۶۵-۶۷

رہے، اپنے ذاتی فائدے کی خاطر یا اپنے کسی ذاتی نقصان سے بچنے کی خاطر تم سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو اسلام کے مقاصد اور مسلمانوں کی فلاح کے خلاف ہو اور اس کام میں دل اور جان اور مال سے حصہ لو جو اسلام اور مسلمانوں کیلئے مفید ہو اور ہر اس کام سے الگ رہو جو اسلام اور مسلمانوں کیلئے مفید نہ ہو۔ اپنے دین اور اپنی دینی جماعت کی عزت کو اپنی عزت سمجھو جس طرح تم خود اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتے، اسی طرح اسلام اور اہل اسلام کی توہین بھی برداشت نہ کرو۔[1]

ایک دوسری جگہ تحریک اسلامی کے داعیوں کے بنیادی اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان میں سے اولین وصف تعلق باللہ اور اخلاص للہ ہے۔ دوسری دنیا کے سب کام تو نفس یا خاندان یا قبیلے یا قوم یا وطن کی خاطر کئے جا سکتے ہیں۔ ذاتی اغراض اور مادی مقاصد کی ساری آلائشوں کے ساتھ کئے جا سکتے ہیں، اور ان میں ہر طرح کی دنیوی کامیابیاں ممکن ہیں، لیکن اسلامی نظام زندگی کا برپا کرنا ایک ایسا کام ہے جس میں کوئی کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آدمی کا تعلق اللہ کے ساتھ صحیح اور مضبوط نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہو کہ

[1] رسالہ دینیات ص ۱۴۵

یہاں جس چیز کو آدمی قائم کرنا چاہتا ہے وہ اللہ کا دین ہے اور اسے قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی سب کچھ اس خدا کے لئے کرے جس کا یہ دین ہے، اسی کی رضا اس کام میں مطلوب ہونی چاہئے۔ اسی کی محبت اس کے لئے واحد محرک ہونی چاہئے۔ اسی کی تائید و نصرت پر ہی اعتماد ہونا چاہئے، اسی سے اجر کی ساری امیدیں وابستہ ہونی چاہئیں، اسی کی ہدایت اور اسی کے امر و نہی کا اس میں اتباع ہونا چاہئے اور اسی کی پکڑ کا خوف دل پر چھایا رہنا چاہئے اس کے سوا جس خوف اور جس لالچ اور جس محبت اور جس اتباع و اطاعت کی آمیزش بھی ہوگی اور جو دوسری غرض بھی اس کام میں شامل ہو جائیگی وہ راہ راست سے قدم ہٹا دے گی اور اس کے نتیجے میں اور جو کچھ بھی قائم ہو جائے بہرحال اللہ کا دین قائم نہ ہو سکے گا۔[1]

اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کی ایک کانفرنس میں آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور اللہ کا ذکر۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو یاد دلاتی رہتی ہیں کہ وہ کس کے سامنے جوابدہ ہے اس کے ساتھ ہی انسان کو اپنے کاموں کا انجام بھی یاد دلاتی رہتی ہیں۔

[1] اسلامی تحریک نقش ص ۲۶-۲۷

اگر آپ کبھی اپنی کسی غلطی پر غور کریں تو اس نتیجے پر پہونچیں گے کہ اس غلطی کے مرتکب ہوتے وقت آپ کے دل میں خدا اور آخرت کی یاد تازہ نہیں — اگر یہ یاد تازہ رہے تو آدمی معتبوطی کے ساتھ صحیح راستے پر چلتا رہتا ہے ۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ فرائض کے علاوہ نفل کی بھی فکر کی جائے ۔ خاص طور پر نفل روزے اس سلسلے میں بہت مددگار ثابت ہوتے ہیں ۔ ان دعاؤں کو یاد کریں جو نبی ﷺ اپنی زندگی کے مختلف موقعوں پر پڑھا کرتے تھے ۔ اس طرح آدمی ہر وقت اللہ اور آخرت کو یاد رکھتا ہو اور صحیح راستہ پر چلتا رہتا ہے ؎

اپنی ایک دوسری تقریر میں اسلامی جمعیۃ طلبہ کے کارکنوں کو خطاب فرماتے ہیں اور انھیں خدا سے تعلق مضبوط کرنے اور اخلاق و کردار کو بلند کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

" اس طرح آپ اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کریں جو دلوں کو جیتنے والا ہو ۔ اس ملک میں گالیوں نے جو فروغ حاصل کیا ہے کہ چھوٹے سے لیکر بڑے تک اور عامی سے لیکر عالم تک بے تکلف گالیاں بکتے ہیں ، مگر آپ کی زبان گالیوں سے پاک ہونی چاہیے ، جو آپ کو گالی دے اس کے جواب میں آپ کے پاس گالی نہیں ہونی چاہیے ، جو آپ سے لڑے ، اس کے مقابلے میں آپ شرافت اور شائستگی کا مظاہرہ کریں ، جو آپ کے ساتھ برائی کرے آپ اس کے ساتھ بھلائی کریں اس کے بعد آپ دیکھیں کہ کون آپ کے مقابلے میں ٹھہر سکتا ہے ؎

طوالت کے خوف سے میں مزید اقتباسات نقل کرنا نہیں چاہتا ورنہ مولانا مودودی کی ایسی تحریریں لاتعداد دستیاب ہیں جن کے ذریعہ خوف و رجا ، تعلق باللہ ، ذکر الٰہی ، عبادت و تواضع اور انابت و توجہ الی اللہ پیدا کرنے پر زور دیا گیا ہے جنھیں پڑھکر روح کو تازگی اور ایمان و اسلام کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے جس سے آدمی کا ذوق عبادت و توکل اس راہ میں مسلسل آگے بڑھتے رہنے پر اس کو مہمیز کرتا رہتا ہے اور ایسا ہونا فطری ہے کیونکہ ہم وہ مقاصد فرائض ادا کرنا چاہتے ہیں جو خدا کی طرف سے عائد کیا گیا ہو اقامت دین کی راہ جو تگ و دو کرنا چاہتے ہیں جو تعلق باللہ کے بغیر ممکن ہی نہیں ، دنیا کی مصیبتوں اور آزمائشوں کو صرف اس لئے قبول کرتے ہیں کہ خدا کی رضا اور اخروی کامیابی پیش نظر ہے ، جنت کے حصول کی ترغیب اور جہنم سے دوری ہی کی تمنا ہمیں اس راہ کی مشکلات کو برداشت کرنے پر ابھارتی ہے ۔

مولانا مودودی کی مندرجہ بالا تحریروں کو غور سے پڑھئے اور بتایئے کہ ان تحریروں کے ذریعہ مولانا مودودی

ؔ تحریک اسلامی کے کارکنوں کی صفات اور ذمہ داریاں شائع کردہ ایس آئی ایم ص ۱۲

ؔ حوالہ بالا ص ۱۳

خدا اور بندے کے درمیان کس قسم کا تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

حقیقت صرف یہ ہے کہ مولانا مودودی صرف اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ خدا سے محبت و اس کے رسولؐ سے عشق کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے احکام کی اطاعت بھی کرو، اس کے فرامین کو دل و جان کو تسلیم کرو اور انھیں اپنی قبائے زندگی پر ٹانکنے کیلئے بھی تیار ہو جاؤ، ورنہ عشق و محبت کے خالی خولی دعوے بے سود ہیں، ان سے کام چلنے والا نہیں، اگر تم اس سے محبت کا اعلان کرتے ہو تو رعایا کی طرح اس کے ارشادات پر عمل بھی کرو، اس کے دین کی اقامت اور غلبہ کے لئے جدوجہد کرو ورنہ محبت و شیفتگی کا دعویٰ کرنا بیکار ہے۔ مولانا مودودی بجو اس طرح کی بات کہنا چاہتے ہیں ؎

سودا! قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا!
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے کم سواد! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا!

عبودیت و الٰہ کی تعریف مولانا مودودی کے یہاں

مولانا مودودی نے اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں عبودیت و الٰہ کی جو تعریف کی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ الٰہ کو اس کے ہمہ گیر مفہوم میں لیتے ہیں جس میں اس سے محبت و انابت اور اطاعت و انقیاد سب داخل ہے۔ "الٰہ" پر لغوی بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:-

"پس معلوم ہوا کہ معبود کے لئے الٰہ کا لفظ جن تصورات کی بنا پر بولا گیا وہ یہ ہیں:-

حاجت روائی، پناہ دہندگی، سکون بخشی، بالاتری و بالادستی، ان اختیارات اور ان قوتوں کا مالک ہونا جن کی وجہ سے یہ توقع کی جائے کہ معبود قاضی الحاجات اور پناہ دہندہ ہو سکتا ہے، اس کی شخصیت کا پُراسرار ہونا یا منظر عام پر نہ ہونا، انسان کا اس کی طرف مشتاق ہونا۔"

عبودیت اور عبادت کے لغوی مفہوم کو واضح کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:-

"اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مادہ عبد کا اساسی مفہوم کسی کی بالادستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلے میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جانا، سرتابی و مزاحمت چھوڑ دینا اور اس کے لئے رام ہو جانا ہے۔ یہی حقیقت بندگی اور غلامی کی ہے لہٰذا اس لفظ سے اولین تصور جو ایک عرب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ بندگی و غلامی ہی کا تصور ہے، پھر چونکہ غلام کا اصل کام اپنے آقا کی اطاعت و فرماں برداری ہے اس لئے لازماً اس کے ساتھ ہی اطاعت کا تصور پیدا ہوتا ہے اور جب کہ ایک غلام اپنے آقا کی بندگی و اطاعت میں محض اپنے کو سپرد ہی نہ کر چکا ہو بلکہ اعتقاداً

لہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۱۶

اسکی برتری کا قائل اور اسکی بزرگی کا معترف
بھی ہو اور اس کی مہربانیوں پر شکر و احسان
مندی کے جذبے سے بھی سرشار ہو تو اس کی
تعظیم و تکریم میں مبالغہ کرتا ہے، مختلف طریقوں
سے اعتراف نعمت کا اظہار کرتا ہے اور طرح
طرح سے مراسم بندگی بجا لاتا ہے، اسی کا نام
پرستش ہے اور یہ تصور عبدیت کے مفہوم میں
صرف اس وقت شامل ہوتا ہے، جبکہ غلام
کا محض سر ہی آقا کے سامنے جھکا ہوا نہ ہو
بلکہ اس کا دل بھی جھکا ہوا ہو۔"[1]

پھر مولانا مودودی قرآنی نظائر پیش کرنے کے
بعد لکھتے ہیں کہ ان مثالوں سے یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا
ہے کہ قرآن میں عبادت کا لفظ کہیں غلامی و اطاعت کیلئے
معنی میں استعمال ہوا ہے، کہیں مجرد اطاعت کے معنی میں
اور کہیں پرستش کے معنی ہیں۔ پھر مولانا نے ان مفہوموں
میں قرآن کے استعمالات دکھائے ہیں اور ثابت کیا ہے
کہ عبادت کا لفظ ان سب پر محیط ہے، عبادت بمعنی
اطاعت کی بیشتر آیات پیش کرتے ہوئے آخر
میں لکھتے ہیں:-

"کوئی وجہ نہیں کہ ان آیات اور ایسی
ہی دوسری تمام آیات میں عبادت کے
لفظ کو محض پرستش یا محض بندگی و اطاعت
کیلئے مخصوص ٹھہرایا جائے، اسطرح کی آیات

دراصل قرآن اپنی پوری دعوت کو پیش کرتا ہے
اور ظاہر ہے کہ قرآن کی دعوت یہی ہے کہ بندگی
اطاعت، پرستش جو کچھ بھی ہو اللہ کی ہو لہٰذا
ان مقامات پر عبادت کے معنی کو کسی ایک
مفہوم میں محدود کرنا، حقیقت میں قرآن کی
دعوت کو محدود کرنا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ
ہے کہ جو لوگ قرآن کی دعوت کا ایک محدود
تصور لیکر ایمان لائیں گے، وہ اس کی ناقص
و ناتمام پیروی کریں گے۔"[1]

مولانا مودودی کی ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے
کہ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اگر کمال محبت کا مستحق اسی
خدائے وحدہ لاشریک کو سمجھیں، اسی کی عبادت و پرستش
میں دن رات لگے رہیں، اسی کے ذکر و اذکار میں حلاوت
و لذت محسوس کریں تو اس کے ساتھ ہی اسی کی بڑائی کو بھی
تسلیم کریں، اسی کے احکام و فرامین کی کامل اطاعت کریں
اور دوسرے شخص گروہ یا مقتدر کی اطاعت نہ کریں اور
اپنی پوری زندگی کو اسی کے رنگ میں رنگ دیں، محبت
و اطاعت کا یہی دوگونہ مطالبہ ہے جس کی طرف شیخ الاسلام
امام ابن تیمیہؒ نے اپنی مندرجہ ذیل تحریر میں اشارہ فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَخْضَعُ لِإِنْسَانٍ	اگر کوئی کسی کے ساتھ بغض
مَعَ بُغْضِهِ لَهُ لَا يَكُوْنُ	رکھتے ہوئے اس کا تابع
عَابِدًا لَهُ وَلَوْ أَحَبَّ	رہتا ہے تو وہ اس کی پرستش
شَيْئًا وَلَمْ يَخْضَعْ لَهُ	کرنے والا نہیں سمجھا جائیگا

لَمْ تَكُنْ عِبَادَةً لَهُ كَمَا قَدْ يُحِبُّ الرَّجُلُ وَلَدَهُ وَصَدِيقَهُ وَلِهٰذَا لَا يَكْفِي أَحَدُهُمَا فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ بَلْ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ أَحَبَّ إِلَى الْعَبْدِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَأَنْ يَكُونَ اللّٰهُ أَعْظَمَ عِنْدَهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ[۱]

اسی طرح اگر کسی چیز سے محبت کرتا ہے لیکن اس کی بڑائی تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس کی پرستش کرنے والا نہیں سمجھا جائیگا جیسے انسان کی محبت اپنی اولاد سے یا اپنے دوست کی، اسی لئے اللہ کی عبادت کے سلسلہ میں ان دونوں میں سے تنہا کوئی ایک بات کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ بندہ اللہ کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب اور ہر چیز سے زیادہ بڑا ہو

اَلْإِلٰهُ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اَلْإِلٰهُ هُوَ الَّذِي يَأْلَهُهُ الْقَلْبُ بِكَمَالِ الْحُبِّ وَالتَّعْظِيمِ وَالْإِجْلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ[۲]

الٰہ وہ ہے جس کی طرف دل کا میلان کمال محبت اور نہایت تعظیم و احترام و اکرام خوف و رجا اور اس طرح کی دیگر کیفیات کے ساتھ ہو۔

یہی وہ نکتہ ہے جس کو مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں اجاگر کیا ہے، وہ عبادت و اطاعت کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ وہ دعوائے عشق و محبت کے ساتھ ہی اس کے تقاضوں کو پورا کرنے پر بھی زور دیتے ہیں اور اس محبت کو خالص نہیں سمجھتے جس کے پیچھے اطاعت کا جذبہ کار فرما نہ ہو لیکن افسوس ہے کہ مولانا علی میاں نے ان کی بیشتر تحریروں سے صرف نظر کر کے صرف اطاعت و اقتدار کے مفہوم کو لے لیا اور مولانا پر یہ اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ ان کی تحریروں سے صرف اطاعت کا مطالبہ ملتا ہے محبت و وفاداری اور کثرت ذکر کا مطالبہ نہیں ملتا، کیا کہیں گے آپ اس کم بیونت کے بارے میں؟! (باقی آئندہ)

بقیہ وہ دور سعادت پھر آسکتا ہے!:-

اور اس کی جگہ دین و قرآن کا پرچم لہرانا ہے، دین و قرآن کی [illegible] چلانا ہے ۔۔۔

اس میں شبہ نہیں، جب ہم یہ عزم لیکر اٹھیں گے تو باطل کو ایک لمحے کیلئے بھی برداشت کرنے کو تیار نہ ہوگا، وہ پوری قوت کے ساتھ ہم کو کچل دینا چاہے گا، اس میں بھی شبہ نہیں جب ہم اس کے بالمقابل صف آرا ہوں گے تو ہم کو تیغ و تفنگ کے تیر و نشتر کے وار سہنے ہوں گے سینے پر بندوق کی گولیاں کھانی ہوں گی، کبھی خون کے قطرے دینے ہوں گے تو کبھی جان سے بھی ہاتھ دھونا ہوگا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اگر ہم کو اس مثالی نسل کا سچا نمونہ بننا ہے تو پوری خندہ جبینی کے ساتھ ان سخت مراحل کو گذرنا ہوگا، ان ساری قربانیوں کیلئے ہمہ تن تیار رہنا ہوگا۔ ان سے گریز و احتراز کرتے ہوئے بغیر اس خواب کا شرمندۂ تعبیر ہونا محال ہے، بالکل محال!!

---

۱ العبودیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ

۲ ایضاً ص

ابوصالح فلاحی

ملکی امن و امان اور اقلیتوں کا تحفظ

یہ مضمون ایک مذاکرہ میں پڑھا گیا تھا جو مذکورہ بالا عنوان کے تحت دہلی میں منعقد ہوا تھا، مذاکرہ میں دیئے گئے وقت کی قلت کے پیش نظر موضوع کی تفصیل طلبی کے باوجود اشارات پر اکتفا کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا گیا ہے — (ا، ص، ف)

اقلیتیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اپنی مخصوص نوعیت رکھتی ہیں، ہر ملک کی اقلیت اس ملک کی اکثریت کے سامنے ایک پیچیدہ سوال ہوتی ہے اور اس سوال کے سنجیدہ اور اطمینان بخش حل پر ہی اس ملک کی مضبوطی، ترقی اور امن و امان کا انحصار ہوتا ہے۔

اقلیتوں کا تحفظ ملک میں امن و امان کی فضا قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے یا نہیں؟ — یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب نہایت آسان ہے اور آسان ہی ہونا چاہئے بشرطیکہ اس سوال پر غور کرنے والے حقیقت پسندی اور راست طرز فکر کا ثبوت دیں، لیکن یہ مسئلہ اس وقت انتہائی پیچیدہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہمارے ملک میں عملاً موجود ہے جب ہم ان حقائق کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو اقلیتوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان نتائج سے بے پروا ہو جاتے ہیں جو اقلیتوں کی بے اطمینانی کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور جب ہم یکطرفہ طور پر صرف اکثریتی طبقہ کو ملک کی تمام سہولیات اور حقوق و مراعات کا مستحق سمجھ کر اقلیتوں کو نااہل و بے مصرف ٹھہرا دیتے ہیں، ہمارے ملک میں اقلیتوں کا مسئلہ خصوصاً آزادی کے بعد سے نہایت سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے اور یہ ہنوز ملک کے سیاست دانوں، حکمرانوں اور دردمندوں کے لئے مستقل توجہات اور سنجیدہ کوششوں کا طالب ہے، جہاں تک علم، عقل اور انسانیت کا تقاضا ہے، اس بات کا کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اقلیتوں کا تحفظ ملکی سیاست کے اولین مقاصد میں ہونا چاہئے، انسانی حیثیت سے بھی ان کا تحفظ انتہائی ضروری ہے اور سیاسی اور انتظامی حیثیت سے بھی ان کا مطمئن ہونا ہی ملک کے بہترین مفاد میں ہے۔

اقلیتوں کے اطمینان اور تحفظ کے بغیر ملک کو حقیقی ترقی ، امن اور یکجہتی کی نعمتیں حاصل نہیں ہو سکتیں ۔

ہم ایک ایسے دور سے گذر رہے ہیں جو سائنٹفک طرز فکر کا دور کہلاتا ہے اور یہی وہ دور ہے جس میں انسانی تحفظ اور انسانی حقوق کے مسئلہ پر سب سے زیادہ بحث کی گئی ہے ، اس ضمن میں ہمارا ملک اس حیثیت سے بین الاقوامی طور پر شاندار روایت رکھتا ہے کہ اس ملک نے اقوام متحدہ میں انسانی آزادی اور اقلیتوں کے تحفظ کے مسئلہ پر ہمیشہ نہایت سرگرم حصہ لیا ہے ، لیکن اس کے باوجود ہمارا ملک سمیت دنیا کے مختلف ممالک کے اندر اقلیتوں کے ساتھ جیسا کچھ برتاؤ ہو رہا ہے اور اقوام متحدہ میں انسانی حقوق کا چارٹر تیار کرنے والے اپنے اپنے ملک کی اقلیتوں کے ساتھ جس انسانیت کا ثبوت دے رہے ہیں وہ کسی بھی چشم بینا سے پوشیدہ نہیں ہے ۔ ہمارے اپنے ملک میں کس کس طرح انسانی آزادی پامال ہوئی ہے اور اقلیتوں کی صورت میں کتنی بڑی آبادی جان ، مال اور عزت کے تحفظ سے محروم ہے ، اس کے صحیح اعداد و شمار بڑے کربناک ہیں لیکن اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی سنجیدہ اور منظم کوشش نہیں کی گئی ۔ انگریز دشمن تھا ، کہا جاتا تھا کہ اس سے نجات حاصل کرنے کے بعد ملک کا سارا فساد دور ہو جائے گا اور وطن عزیز کی فضا محبت انسانیت اور ہم آہنگی کی خوشبوؤں سے معطر ہو جائیگی لیکن نسیم آزادی کے چلتے ہی بد قسمتی سے ملک کے ہر حصہ میں وہ گل کھلنا شروع ہوئے کہ آزادی سے پہلے کے خوابوں کا عظیم الشان شیش محل دیکھتے دیکھتے کرچیوں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا ۔ آزادی کامل کو ۴۲ سال ہونے کو آئے لیکن اقلیتیں آج بھی منظم فسادات ، مسلح لوٹ مار اور مسلسل ناانصافیوں کا شکار ہو رہی ہیں ۔ یہ وہ صورتحال ہے جس نے ملک کو سیکڑوں پرانے اور نئے مسائل میں گھیر رکھا ہے اور یہی حالت جاری رہی تو نہ صرف یہ کہ ملک میں امن و امان کی صورتحال ختم ہو جائے گی ، بلکہ ملک کا تباہ کن پیچیدہ مسائل میں گھر جانا یقینی ہے ۔

ملک میں حکومت کا نظام اگر ڈکٹیٹرشپ اور مطلق العنانی پر مبنی ہو تو اس کی نوعیت دوسری ہے لیکن اگر ملک کیلئے جمہوریت کو پسند کیا گیا ہو اور اسے پسند کیا ہی جانا چاہئے جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے تو اس صورت میں اقلیتوں کا تحفظ خود جمہوریت کا اولین تقاضا بھی ہے اور اولین فرض بھی ، ایک طرف ملک کا امن و امان ہے جو ملک کی سالمیت کیلئے انتہائی ضروری ہے اور دوسری طرف جمہوریت ہے جو ملک کا سیاسی آئیڈیل ہے ، ان دونوں کے لئے اقلیتوں کا مسئلہ ایک زبردست چیلنج ہے ، اقلیتیں اگر اکثریت کی جبر و زیادتیوں سے محفوظ نہیں ہیں تو نہ صرف یہ کہ یہ جمہوریت کی کھلی ہوئی ناکامی ہے بلکہ امن و امان کا مکمل خاتمہ ہے ، ملک کے مختلف طبقوں کے درمیان اگر بے اعتمادی اور خطرہ کی کیفیت برقرار رہے یا ایک کی طرف سے دوسرے کو دبانے اور مٹانے کی کوششیں جاری رہیں تو ظاہر ہے کہ یہ جمہوریت کے برعکس صورتحال ہے اور ملکی سالمیت

کے لئے ایک سوالیہ نشان۔

ملک میں اقلیتوں کی بے اطمینانی حقیقی جمہوریت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ بدقسمتی سے ملک میں سیاسی اور معاشی سطح پر ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو اقلیت کے لئے نفرت اور تعصب کے جذبات کو ہوا دیتا رہتا ہے۔ یہ طبقہ دراصل ان عناصر پر مشتمل ہے جو ملک میں جمہوریت کو کامیاب نہیں دیکھنا چاہتے کیونکہ جمہوریت کی کامیابی میں انھیں اپنے مخصوص گروہی مفادات خطرے میں نظر آتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اہمیت کس کی ہے اس مخصوص مفاد پرست طبقہ کی یا ملک کے جمہوری اور پرامن وجود کی، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اصل اہمیت موخر الذکر کی ہے اور ملک کا جمہوری و پرامن وجود اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب ملک کی اقلیتیں مطمئن ہوں اور انسانی حیثیت کے علاوہ سیاسی و معاشی حیثیت کو بھی ان کے جائز حقوق انھیں حاصل ہوں۔ اس کے بغیر جمہوریت یا امن وامان کی حیثیت ایک نظریہ یا پروپیگنڈہ کی تو ہو سکتی ہے، مگر یہ چیزیں بایں صورت زندہ حقیقت نہیں بن سکتیں۔

انسان ایک سماجی اور معاشی وجود رکھتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہر انسانی گروہ کو خواہ وہ کہیں بھی ہو اور اقلیت میں ہو یا اکثریت میں اس بات کی پوری آزادی حاصل ہو وہ آزادانہ طور پر اپنے آپ کو نشوونما دے سکے اور ہر طرح کی سماجی، سیاسی، تہذیبی اور معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے یکساں مواقع اسے حاصل ہوں۔ آزادی اور مساوات مسلّم انسانی حقوق ہیں۔ یہ دونوں نہ صرف یہ کہ ایک جمہوری معاشرہ کے بنیادی ستون ہیں بلکہ انھیں پر سماجی امن وامان اور انسانی ترقی کا بھی انحصار ہے۔ اقلیتیں ان دونوں اصولوں کی اصل مستحق ہیں۔ کسی ملک کا اصل امتحان یہ ہے کہ اس کی اقلیتیں آزادی اور مساوات سے کس حد تک مستفید ہو رہی ہیں اور یہ فرض حکومت ہی کا نہیں اکثریتی طبقہ سے وابستہ عوام کا بھی ہوتا ہے کہ وہ اقلیتوں کا اعتماد حاصل کریں اور ان کے اندر بے اطمینانی اور عدم تحفظ کا احساس نہ پیدا ہونے دیں۔

اقلیتوں کو تحفظ عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ملک کی حکومت ان کے جملہ مسائل کا جن کا تعلق ان کے سماجی سیاسی اور معاشی نیز تعلیمی و تہذیبی وجود سے ہے، اطمینان بخش حل تلاش کرے اور اس تلاش میں اقلیتوں کو بھی ساتھ لے کر چلے۔ یہ حکومت کا فرض ہے اور اس کی انجام دہی اسی وقت ممکن ہے جب انسانی حقوق اور آزادی اور مساوات کے اصولوں کو پوری طاقت کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی محض انسانی حقوق کی دستوری ضمانت ہی کافی نہیں ہے بلکہ اقلیتوں کی مخصوص نوعیت کی بنا پر انھیں مخصوص حقوق اور امتیازات بھی حاصل ہونے چاہئیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اطمینان محسوس کریں اور زیادہ بہتر طور پر سماج اور ملک کی ترقی کے لئے کام کر سکیں۔ انھیں سیاسی اور انتظامی شعبوں میں بھی ایسی پوزیشن دینی چاہئے جو ان کے تحفظ کی ضامن ہو۔ اسی طرح حکومت ہی کی ذمہ داری

ہے کہ اقلیتوں کے خلاف سماج میں موجودہ عناصر کا خاتمہ کرے اور ان کے خلاف ظلم و ستم کے ساتھ اٹھنے والے ہاتھوں کو ناکام بنا دے، دوسری طرف اکثریتی طبقہ کے افراد کو بھی حسد، تعصب اور نفرت کی ذہنیت سے دستبردار ہو جانا چاہیئے، انھیں اپنے اندر کے ان شرپسندوں کا بائیکاٹ کرنا چاہیئے جو فرقہ وارانہ تعصب اور جانبداری کو فروغ دے کر اقلیت دشمن ماحول پیدا کر رہے ہیں، یہ بہرحال حقیقت ہے کہ اقلیتیں اگر اپنے تحفظ کی طرف سے مایوسی کا شکار ہوتی رہیں اور ان پر جارحانہ حملے جاری رہے تو یہ نہ صرف اقلیتوں کیلئے تباہی و پریشانی کا باعث ہے بلکہ خود اکثریت کے افراد بھی چین کی نیند نہیں سو سکیں گے اور ملک کا امن و سکون غارت ہو کر رہ جائیگا

اکثریتی طبقہ کے افراد کے سامنے یہ بات بھی واضح رہنی چاہیئے کہ اقلیتوں کے ساتھ ہم آہنگی اور رواداری کے رویہ سے ان کے مفادات کو ضرب پہنچنے کے بجائے خود ان کا کردار بلند اور پرکشش ہوگا، انھیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اقلیتوں کو تحفظ عطا کرکے وہ ان پر کوئی احسان کریں گے، بلکہ اپنا انسانی اور اخلاقی فرض ادا کریں گے اسی طرح انھیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ملک میں موجود اقلیتیں کوئی جزو معطل نہیں ہیں بلکہ اقلیتوں کے افراد اور اداروں نے بھی ملک کی ترقی اور تحفظ کے لیے بیش قیمت کارنامے انجام دئے ہیں اور عظیم قربانیاں پیش کی ہیں جنھیں اکثریت کے افراد خواہ فراموش کردیں یا پس پشت ڈال دیں مگر سرزمین وطن کی تاریخ ان کی ثبت و کندہ ہے محفوظ ہے اور یہ سلسلہ اسی وقت جاری رہ سکتا ہے جب اقلیتیں اپنے مسائل کی طرف سے مطمئن اور اپنے مستقبل کی طرف سے بے فکر ہوں۔

ہمارے ملک کی حیثیت ایک ایسے چمن کی ہے جہاں رنگ برنگ کے پودوں اور پھولوں کی جلوہ آرائی ہے۔ ملک میں موجود مختلف انسانی گروہ اپنی علیحدہ نوعیت اور علیحدہ شان امتیاز رکھتے ہیں اور یہی رنگارنگی ملک کی دلکشی کا سبب ہے، اگر یہ تمام گروہ اپنی اپنی صلاحیتوں اور اپنے اپنے اصولوں کے مطابق آزاد اور مطمئن ہو کر سرگرم ہوں اور ان میں باہم اعتماد اور دوستی کی فضا ہو تو اسی میں ملک کی حقیقی ترقی اور استحکام کا راز پوشیدہ ہے، اس کے برخلاف اقلیتوں کے ساتھ اب تک جو کچھ ہوتا رہا ہے اور جس عدم تحفظ کا احساس ان پر طاری ہے، یہی صورت حال اگر جاری رہی تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ملک کے حالات کی ڈگر کیا ہوگی اور امن و امان سے محروم ملک جس میں اقلیتوں پر مشتمل ایک بڑا حصہ بالکل مایوس اور الگ تھلگ ہو چکا ہے اس کا انجام کیا ہوگا۔ ؟ —

حکمران جام نظام الدین

سندھ کا ایک نیک سیرت حکمران جام نظام الدین (۱۴۶۱ء)

سن ۱۵۰۹ء اور مقبرہ شاہی اصطبل جاتا اور گھوڑوں پر ہاتھ رکھ کر کہتا:-

"اے دوستو! میں نہیں چاہتا کہ تم سے جدا ہوں کیونکہ کسی وقت میں تم پر سوار ہوں، اس لئے کہ چاروں طرف مسلمان حاکم ہیں تم دعا کرو کہ کسی شہر میں کسی جگہ جاؤں اور یہاں کوئی دعا کرے کہ بیگناہوں کی خون ریزی کا اور مجھے خدا کے آگے شرمندہ ہونا پڑے۔

بدر جمال اصلاحی

ابن بوّاب اور یاقوت مستعصمی

جنھوں نے ابن مقلہ کے وضع کردہ خطوط کو کمال تک پہونچایا!

ابن مقلہ نے خط کوفی سے جو چھ خوبصورت خط ایجاد کرنے گئے وہ زمانے کے ساتھ ساتھ حسین سے حسین تر ہوتے رہے، ابن مقلہ کے شاگردوں نے خط کو خوب سے خوب تر بنانے میں اپنی عمریں وقف کر دیں اور یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا، ابن مقلہ کی طرز پر لکھنے والے بالواسطہ یا بلاواسطہ ہزاروں کی تعداد میں پیدا ہوئے ۔ جن میں ابن بواب اور یاقوت مستعصمی آسمان فن پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، انھیں کے معجز نگار قلم کی جنبش نے ابن مقلہ کے ایجاد کردہ خطوط کو عروج بخشا۔

ابن بواب

اس کا نام علاؤ الدین علی ہے، باپ کا نام ہلال ہے، کنیت ابوالحسن ہے چونکہ اس کا باپ امیر بویہ کا بواب (دربان) تھا، اس لئے یہ ابن بواب کے نام سے مشہور ہوا، ابن بواب کے آبا و اجداد ہمیشہ سے سلاطین کے درباروں سے متعلق رہے لیکن ابن بواب نے اپنے لئے علمی زندگی کا انتخاب کیا اور اپنے دور کا بے نظیر عالم اور ادیب ہوا ۔ فن کتابت ابن مقلہ کے مشہور شاگرد محمد بن اسد بغدادی سے سیکھا اور اس فن میں سر آمد دوراں ہوئے اور لوگ انھیں قبلۃ الکتاب کہنے لگے[1] ۔ ابن خلکان کی رائے ہے کہ متقدمین اور متاخرین میں کوئی کاتب ابن بواب کے درجے کو نہ پا سکا[2] ۔ خطوط کی تہذیب و آرائش کا سہرا اسی کے سر ہے، اس کے خطوط میں بلا کی نزاکت اور صفائی ہے آج تمام عربی خطاط اس کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں۔

عباسی خلیفہ القادر باللہ ابن بواب کی بہت

۱؎ فن تحریر کی تاریخ از محمد اسحاق صدیقی ص ۲۱۹

۲؎ وفیات الاعیان لابن خلکان

قدر کرتا تھا لیکن اس نے کبھی کسی سرکاری عہدے کا لالچ نہ کیا بلکہ تمام عمر علم کی خدمت اور قرآن مجید کی کتابت میں تمام کی، سنہ ۴۲۳ھ میں بغداد میں انتقال کیا اور امام احمد ابن حنبل کے جوار میں دفن ہوا[1]۔

ابن بواب نے اپنے بعد ہزاروں کی تعداد میں باکمال شاگرد چھوڑے، ابو عبداللہ بن جعفر بغدادی جو خود بھی بہترین خطاط اور عمدہ مصنف تھا، ایک جگہ لکھتا ہے کہ ایک روز میں ابن بواب کی مجلس میں گیا تو دیکھا کہ تمام خوشنویس بحیثیت شاگرد اس کی خدمت میں حاضر ہیں[2]۔

یاقوت مستعصمی یہ بھی بغداد ہی میں پیدا ہوا۔ جمال الدین نام ہے، امام الخطاطین لقب۔ یاقوت مستعصمی کے لقب سے مشہور ہوا، بنی عباس کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کا غلام تھا، مگر اپنے کمالات کی بدولت دربار خلافت میں بڑی عزت حاصل کی، وہ بزرگ سیرت عالم وادیب اور معجز نگار خوشنویس تھا، ترکی تذکرہ نگاروں نے اس پر بڑی توجہ صرف کی ہے اور اس کے فن اور اس کی زندگی پر زبردست تحقیق کی ہے۔

خوشنویسی کا فن اپنے عہد کے مشہور خوشنویس اور ماہر موسیقی عبدالمومن اصفہانی سے سیکھا[3] اور ابن بواب کے خطوط سے استفادہ کیا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک ہزار قرآن مجید لکھے۔ اس کا لکھا ہوا ایک قرآن مجید (جسے سنہ [illegible]

میں لکھا تھا) سلطان سلیم بادشاہ ترکی کے مقبرہ پر موجود ہے اور ایک قرآن مجید مصر کے کتب خانہ میں ہے جو سنہ ۶۶۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔

یہ خواجہ نصیر الدین طوسی، شمس الدین وزیر اور عبدالمومن اصفہانی کا ہم عصر تھا۔ اسی کے زمانے میں ہلاکو خاں نے بغداد کو تاراج کیا۔

اس کی شہرت اس کی زندگی ہی میں بغداد سے گذر کر ایران، ترکستان، شام اور ہندوستان تک پہونچ گئی تھی اس کے کتبات بشوق تمام طلب کئے جاتے تھے اور بڑے بڑے انعام ان کو بھیجے جاتے تھے۔

کتابت میں اس کی دلچسپی اور محویت کا یہ عالم تھا کہ جب سنہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کیا تو وہ بھاگ کر بغداد سے دور ایک ویران مسجد میں جا چھپا، قلم و سیاہی ساتھ تھی مگر کاغذ نہ تھا، دنیا کو اپنی جان کی فکر تھی اور یاقوت کو اپنی مشق کی۔ اس نے اپنی دستار کھولی اور کاغذ کی جگہ اسی پر لکھنا شروع کیا، یاقوت کتابت میں مشغول تھا کہ اس کے ایک شاگرد نے آکر اطلاع دی کہ بغداد تباہ ہو چکا ہے، اب دشمن اطراف بغداد میں پھیل کر تباہی مچانے ہی والے ہیں، آپ فوراً یہاں سے بھاگ کر اپنی جان بچائیے۔ یاقوت نے جواب دیا کہ مجھے لکھنے دو، میں ایسا اچھا لکھ رہا ہوں کہ اس کی قیمت ساری دنیا بھی نہیں دے سکتی، میرے لیے بغداد کس شمار میں!۔ اس کے شاگردوں میں [illegible] جمال الدین مستعلیب، مولانا یوسف [illegible] بہت مشہور ہوئے۔ یاقوت کا انتقال [illegible]

---

[1] تذکرہ خوشنویساں ص [illegible]

[2] پیدائش خط و خطاطان ص [illegible]

[3] تذکرہ خوشنویساں ص [illegible]

اشتیاق دانش فلاحی
دارالبیان - جامعۃ الفلاح - بلریاگنج

رسول اکرمؐ — ایک عظیم سیاسی رہنما!

یہ مقالہ جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کے بزم ادب مقابلہ میں سنایا گیا تھا اور برادر عزیز کو فرسٹ انعام بھی ملا تھا - ہم اسے افادۂ عام کی خاطر نذر قارئین کر رہے ہیں (ادارہ)

عصر جدید میں پاکیزہ سیاست کا فقدان ناقابل تردید حقائق کی مختصر سے مختصر فہرست میں بھی نظر آئے گا ۔ مقامی اور ملکی سیاست سے لیکر بین الاقوامی سیاست تک ہر جگہ گندے نظریات، غلاظت آمیز خیالات اور بیہودہ تعصبات کا ہجوم ہے، گویا خوشبوؤں کے بگولوں سے یہ چمن زار پورے طور پر خالی ہے ۔ موجودہ ملکی سیاست اس قدر بدنام ہے کہ حضورؐ کو ایک سیاست داں کہتے ہوئے ایک عام قاری کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا آپ کی جامع اور پاکدامن زندگی کا یہ شعبہ نورانی شعاعوں سے معمور نہیں ہے ۔ کیا آپ بھی اپنے مفاد اور اپنی قوم کے فائدے کے پیش نظر دوسروں کے مفادات اور عام انسانی حقوق کے غاصب، تعصب و تنگ نظری کا شکار اور وسیع النظری سے بالکل محروم تھے جیسا کہ عصر حاضر کا سیاسی رہنما ہوتا ہے ــ سیرت پاک کا ایک عام طالب علم بھی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ آپ کی سیاست کی بنیاد تعصب و تنگ نظری پر نہیں ہے بلکہ جس طرح آپ کی زندگی کے دوسرے شعبے پوری طرح تابناک اور انسانوں کے لیے مشعل راہ ہیں اسی طرح آپ کی سیاسی زندگی بھی مسافران صحرا کے لیے منارۂ نور بالخصوص ہر دور کے سیاست دانوں کے لیے سیاہ رات کا چراغ ہے ۔ اس نقطۂ نظر سے بہرکیف آپ کی سیاسی زندگی ایک لائق توجہ اور قابل مطالعہ عنوان ہے ۔

بعثت سے قبل آپ ایک اچھے سماجی، با اصول، با اخلاق اور پاکیزہ کردار کے مالک انسان تھے، عملی سیاستداں ہرگز نہ تھے، لیکن منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد آپ کے اندر بے پناہ سیاسی بصیرت نظر آنے لگتی ہے اور آپ اپنے سیاسی تدبر کے جوہر بھی دکھانے لگتے ہیں، قریشیوں سے بیزار ہو کر اہل طائف کو دعوت دینا یا موسم حج

میں مختلف قبائل کے سرداروں سے ملاقات اور ان کے سامنے توحید و اسلام کی دعوت پیش کرنا آپ کی کتاب سیرت کا ایک واقعہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں آپ کے سیاسی تدبر کا عکس صاف نظر آتا ہے، آنحضور کو معلوم تھا کہ قریش کے سردار اپنے اقتدار اور سیادت کی حفاظت کے لئے اس پاکیزہ اور ربانی دین کو کبھی بھی کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتے اور ان کا سلوک میرے ساتھ اس سے جداگانہ ہرگز نہ ہوگا جو سابقہ اقوام کے سرداروں کا اپنے انبیاء کے ساتھ رہا ہے، چنانچہ آپ نے سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے، دعوت کے کام کو قریشیوں کے دائرے سے نکال کر دوسرے قبائل کے سرداروں اور با اثر لوگوں تک عام کر دیا، آپ کا یہ اقدام اگر عہد نبوت کے حالات کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ فی الواقع دین حنیف کے لئے بہتر مستقبل کی تلاش و جستجو تھی، اس دین حنیف کے لئے جو انسانوں کو حقیقی کامیابی کا مفہوم سمجھانے اور اس سے ہمکنار کرنے کیلئے آیا تھا چنانچہ قبل اس کے کہ قریشی سردار آفتاب رسالت کی شعاعوں کو روکنے کے لئے آپ کے قتل کی سازش کریں آپ اپنے پیارے ساتھیوں اور اپنے دین کے لئے ایک دوسرا مرکز تلاش کر چکے تھے۔ عہد نبوی کی مکی دور کی یہ پہلی نمایاں مثال ہے جو آپ کے سیاسی تدبر اور بصیرت پر روشنی ڈالتی ہے۔

آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز فی الحقیقت ہجرت کے بعد سے ہوتا ہے اور آپ کی مدنی زندگی ہی ایسے معاملات وہ واقعات فراہم کرتی ہے جو نمایاں طور پر آپ کے سیاسی تدبر و بصیرت پر روشنی ڈالتے ہیں، مدینہ پہونچنے کے ساتھ ہی آپ کے سامنے ایک مشکل مسئلہ اپنے کل مہاجر ساتھیوں کی آبادکاری اور ان کے لئے وسائل زندگی کا معقول انتظام کرنے کا تھا۔ یہ آپ کی سیاسی بصیرت ہی تھی کہ آپ نے سب سے پہلے اسی مسئلے کی طرف توجہ مرکوز کی اور اصول مواخات کے ذریعہ اس کا ایک بہترین حل تلاش کر لیا۔

اس کے بعد آپ نے سب سے پہلے مدینہ میں ایک شہری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس مختصر مملکت کا ایک دستور بھی بنایا جو دنیا کا سب سے پہلا دستور حکمرانی ہے، سیاسی تدبر کا تقاضا تھا کہ اس شہری حکومت کو صرف بیرونی خطرات اور حملوں سے بچانے ہی کا انتظام نہ کیا جائے بلکہ اس کے اندر بھی کسی ممکن خطرے سے صرف نظر کرنا خلاف حکمت ہوتا چنانچہ آپ نے مدینہ کے یہود سے معاہدہ کر کے انھیں اس شہری حکومت کا باوقار رکن بنا کر ریاست کے اندرونی استحکام کی طرف سے بھی اطمینان حاصل کر لیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ اقدامات آپ کو ایک سیاست داں کی حیثیت سے کامیابیوں سے ہمکنار ہونے کے لئے بہرحال کرنے تھے کیونکہ آپ کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں اور آپ یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ قریش مکہ جنھیں خانہ کعبہ کی تولیت نے سارے عرب میں ہیرو بلکہ بے تاج کا بادشاہ بنا دیا تھا اپنی سیادت اور اقتدار کو بحال رکھنے کے لئے علمبرداران توحید کو صرف جلاوطن کر کے ہی خاموش نہیں ہو سکتے بلکہ اطمینان کا سانس لینے سے قبل وہ جنگی اقدامات بھی کر سکتے تھے

اسی لئے آپ نے مسلمانانِ مدینہ اور یہود کو ایک معاہدے
میں منسلک کر کے مدینہ کی نو مولود سلطنت کی حفاظت
کے لئے حملۂ مکہ تک فوراً استحکام کر لیا تھا، پھر دوسری طرف
آپ کسی حکومت اور بادشاہت کے طالب نہ تھے بلکہ
اصل مقصد تو گم کردہ راہ انسانیت کو صراطِ مستقیم پر گامزن
کرنا اور انھیں کفر و شرک کی لعنتوں سے باہر نکالنا تھا اور
اس مقصد کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک
کہ قریش مکہ کو اپنے دین کا ہمنوا نہ بنا لیا جائے یا ان کے انکار
کی صورت میں جیسا کہ وہ کر چکے تھے، انہیں راستے سے ہٹا
نہ دیا جاتا، کیونکہ جس دین و مذہب کے یہ پیرو ہوتے وہی
سارے عربوں کا دین و مذہب ہوتا، اس کی ایک بہت
بڑی وجہ یہ تھی کہ خانۂ کعبہ کی تولیت ان کے ہاتھ میں تھی پھر
اس کے علاوہ انھوں نے عربوں کے لئے دوسرے سیاسی
و معاشی کارنامے بھی انجام دئے تھے۔

وادیٔ غیر ذی زرع میں سب سے اہم مسئلہ معاش کا تھا
عربوں کے پاس اپنے معاشی مسائل حل کرنے کا سارا دار و
مدار تجارت پر تھا، چونکہ جزیرہ نمائے عرب ایک صحرائے
اعظم تھا، اس لئے لق و دق صحرا میں دوسرے زرخیز ممالک
کے تاجروں کے آنے کی توقع تو کی نہیں جا سکتی تھی مجبوراً
انھیں کو پیداواری ممالک میں جانا تھا، چنانچہ مخالفینِ اسلام
قریش مکہ ہی کے آباء و اجداد نے آگے بڑھ کر عرب کی
داخلی و خارجی سیاست کو منظم کیا اور اپنے آپ کو اس کا
مرکز و محور بنا لیا کیونکہ ان کا عرب پر ایک طرح کا معاشی
احسان تھا، وراثت میں یہ مرکزیت اور اقتدار [illegible]

کو بھی حاصل ہوئے تھے اور ان کے تجارتی قافلے ہر سال خشکی کے
راستے سے مصر و شام کی سلطنتوں میں جاتے تھے، شاہراہ
مدینہ کے قریبی قبائل بنو مدلج اور بنو ضمرہ کے علاقوں سے ہو کر
گذرتی تھی، آنحضور نے قریش کی اس مرکزیت اور ان کے اقتدار
کو ختم کرنے کے لئے چونکہ ان پر معاشی دباؤ ڈالنے کا فیصلہ
کیا تھا، اس لئے ان قبائل سے معاہدے کر لئے اور پھر
ان کی مدد سے قریش کے قافلوں کو مصر و شام کی طرف
جانے سے روک دیا۔ آپ کا یہ اقدام آپ کی عظیم سیاسی
بصیرت کی دلیل ہے۔ تاریخ سیاست کا طالب علم آپ کے
ان اقدامات کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب
جاتا ہے کہ اس عرب میں آج سے چودہ سو برس پہلے اتنا
عظیم سیاست داں کیسے پیدا ہو گیا جس کی نظیر پیش کرنا
بیسویں صدی کے سیاسی دور میں بھی ممکن نہیں ہے۔

ان ابتدائی اقدامات کے بعد آپ کی جنگی و مدنی سیاسی
زندگی کا آغاز ہوتا ہے، قریش مکہ کو آپ کے ان اقدامات
کے دور رس نتائج کو سمجھنے میں دیر نہ لگی، چنانچہ [illegible]
میں مدینہ پر چڑھ دوڑے اور بدر کے میدان میں انھیں بُری
شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس فتح سے عربوں میں آپ
کے اثرات کو بھرپور اضافہ و استحکام حاصل ہوا، اب قریش
کی آتشِ انتقام شعلۂ جوالہ سے بدل گئی اور ۳ھ میں وہ
دوبارہ مدینہ پر چڑھ دوڑے، مگر اس مرتبہ بھی وہ قرآن
کے بیان کے مطابق کامیابی سے زیادہ نامرادیوں سے
دوچار ہوئے اور جنگ احد ان سیاسی اثرات کو زائل نہ
کر سکی جو جنگ بدر نے عربوں پر ڈالے تھے۔

اور یہاں سے جو غلہ مکہ کے لئے جاتا تھا، وہ روک دیا گیا۔

اس سال اتفاق سے عرب میں قحط بھی پڑا ہوا تھا، غلہ وغیرہ کی منڈیوں کے بند ہو جانے، تجارتی شاہراہوں کے تعطل اور پے بہ پے جنگی ناکامیوں نے قریش کو بے بس کر دیا تھا۔ حضورؐ کی سیاسی نگاہیں ایک طرف اگر ان حالات پر تھیں تو دوسری طرف آپ مدینہ کی صحیح پوزیشن سے بھی واقف تھے، مدینہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے دو طرف سے دو طاقتور دشمنوں سے گھرا ہوا تھا، شمال میں غطفان اور خیبر کے یہودی تھے اور جنوب میں کفارِ مکہ تھے، مسلمانوں کی فوجی طاقت اس قدر نہ تھی کہ وقت واحد میں دونوں پر دھاوا بول کر نجات حاصل کر لیتے اور مسلمانوں کے لئے یہ راستہ بھی بند تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک ہی پر چڑھائی کر کے ان کا خاتمہ کر دیں کیونکہ اگر جنوب میں قریش کی طرف بڑھتے تو خیبر کے یہودی اور ان کے حلیف غطفان شہر کو خالی پا کر قبضہ کر لیتے اور اگر ان کی طرف رخ کیا جاتا تو قریش مکہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے۔

ان حالات میں اگر کوئی عظیم سے عظیم تر سیاست داں کچھ کر سکتا تھا تو یہی کہ ان دو دشمن فریقوں میں سے کسی ایک سے صلح کر لے، آپ نے ایسا ہی کیا اور صلح کے لئے آپ نے انتخاب قریش مکہ کا کیا اور یہ ایک منصفانہ فیصلہ تھا کیونکہ ان کا ذہن یہود کی طرح شدید قسم کا سازشی نہ تھا، دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ کے مسلسل معاشی دباؤ اور قحط سالی کی وجہ سے ان کا معاشی توازن بگڑ چکا تھا، اس لئے صلح کی پیش کش کو یہ فوراً قبول کر سکتے تھے۔

صلح کی گفتگو سے قبل ہی آپ نے موافق فضا پیدا کرنے کے لئے قحط سالی کے موقع پر قریشی لیڈر ابو سفیان کے پاس پانچ سو اشرفیاں ارسال کیں اور کہا کہ یہ رقم غریب قحط زدوں میں تقسیم کر دی جائے

اور اسے سازش سے تعبیر کیا مگر عوام کے دلوں میں آپ کے لئے ایک پذیرائی گوشہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے آپ کو شریف دشمن سے ملقب کیا اور آپ نے یہ سیاسی تدبیر اسی غرض سے کی تھی کہ عوام کے دلوں میں آپ کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو جائے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ روزِ قیامت ناکامی کے اسباب!

ہمارے گھر کے کھیت غلہ سے بھرے ہوئے تھے اور ہمارے سگے بھائی آدم کی اولاد ہماری تکتی تھیں، ہمارے پڑوسی بھوکے رہتے تھے، بھوکے سوتے تھے، پر ہمارے کھیت کا دانہ نہیں گھٹتا تھا، ہم نے غلہ سے بھرے گوداموں کے تالے کی کنجی ادھر اُدھر کر دی تھی، لوگ مرتے رہے غلہ سڑتا رہا، لیکن ہمارا دل ذرا نہیں پسیجا، اسی کا نتیجہ ہے کہ خدا کا غضب ہم پر مسلط ہوا اور ہم پہنچا دیے گئے جہاں آگ کے کھیت ہیں، آگ کے گودام ہیں اور ہمارے غلے کا ایک ایک دانہ سانپ اور بچھو بنا ہوا موجود ہے۔

طارق فارقلیط فلاحی (کرناٹک)

عالمِ اسلام

شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

جاپان میں اسلامک انسٹی ٹیوٹ کے قیام کی تجویز!

نو مسلم سیاست داں ہز ایکسیلنسی مسٹر محمد کوجی یاما اور ڈاکٹر شوقی فوتاکی صدر اسلامی کانگریس جاپان نے مل کر جاپان میں نئے ہجری سال سے اسلامک انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ جاپان اسلامک کانگریس کے بھرپور تعاون سے کام شروع کرے گا اور اس کا صدر دفتر ٹوکیو میں شنجوکو کے مقام پر قائم کیا جائے گا۔ یہ انسٹی ٹیوٹ حکومت جاپان اور جاپانی عوام کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مستند معلومات مہیا کرے گا اور مشرق بعید کے علاقے میں اسلام کی تبلیغ کی کوشش کرے گا۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں تحقیقی کام بھی کیا جائے گا۔

مسجد قرطبہ میں پہلی نماز!

تقریباً پانچ سو برس کے بعد گذشتہ برس پہلی مرتبہ قرطبہ کے بشپ نے خصوصی طور پر مسلمانوں کو مسجد قرطبہ میں عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرنے کی اجازت دی جس میں دو سو سے زائد اہلِ ایمان شریک ہوئے۔ مبصرین کا خیال ہے کہ شاید اب یہ مسجد مسلمانوں کو واگذار کردی جائیگی یاد رہے کہ شاہ فیصل مرحوم نے بھی حکومت اسپین سے اس مسجد کی واپسی کی اپیل کی تھی لیکن قرطبہ کے عیسائی اسے گرجا بنانے پر تیار نہ تھے۔ قرطبہ کے بشپ کا حالیہ فیصلہ اس امر کا غماز ہے کہ حکومت اسپین بالآخر اس مسجد کو واگذار کرنے پر آمادہ ہوگئی ہے۔

آزاد اریٹیریا کا ریڈیو!

اس سال یکم جنوری سے اریٹیریا ریڈیو کی نشریات شروع ہوگئی ہیں اریٹیریا کے مسلمان بیس برس سے جنگ آزادی لڑ رہے ہیں اور انھوں نے حبشہ کی حکومت سے خاصا بڑا علاقہ آزاد کرالیا تھا لیکن روس اور کیوبا کی مدد سے حبشہ نے محاذ آزادی کو پیچھے ڈھکیل دیا اور متعدد شہر دوبارہ غلام بنالئے۔ اس پس منظر میں یکم جنوری کو جب اریٹیریا ریڈیو کی آواز پہلی مرتبہ سنائی دی تو مجاہدینِ آزادی کے حوصلے بلند ہوگئے۔ تیل کے دیوں کے گرد بیٹھے مسلمان مجاہدین اپنے آزاد ریڈیو کی آواز سنکر اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگے، دو ماہ قبل روس اور کیوبا کے سپاہیو

نے انھیں صوبائی شہروں سے دھکیل کر پہاڑی ٹھکانوں میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا تھا، اب مجاہدینِ آزادی نے دوبارہ خاصے بڑے علاقے پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔

نئے چین میں خاموش انقلاب!
قریب آ گئی شاید جہانِ پیر کی موت!

چین جس پر چند برس قبل چیئرمین ماؤزے تنگ کی شخصیت چھائی ہوئی تھی اور جس کے در و دیوار پر ماؤ کی تصویریں آویزاں رہتی تھیں، وہاں اب پریس کی آزادی کے بعد زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی انقلابی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ تازہ ترین اطلاعات کے بموجب اب چین میں نجی ملکیت بحال کرنے پر غور کیا جا رہا ہے اور بارہ برس قبل ثقافتی انقلاب کے دوران کارخانہ داروں، ٹھیکیداروں کے مالکوں، دوسرے سرمایہ داروں اور تاجروں سے جو نجی املاک چھین لی گئی تھیں وہ اب واپس کر دی جائیں گی۔ نیوز چائنا ایجنسی کی ایک خبر کے مطابق وہاں کی کمیونسٹ پارٹی نے زمینداروں اور مالدار کسانوں کو شہری حقوق دینے کا فیصلہ کیا ہے، دوسری طرف جمہوریت پسندوں کی جد و جہد بھی تیز ہو رہی ہے۔ ۲۹ جنوری کو پیکنگ میں جمہوریت اور انسانی حقوق کی بحالی کا مطالبہ کرنے والے آٹھ گروپوں میں سے چھ گروپوں نے مظاہرہ کیا، اس میں سات آٹھ سو افراد نے شرکت کی۔

اب چین میں مذہبی آزادی دینے پر بھی زور دیا جا رہا ہے، حال ہی میں شنگھائی میں آٹھ سو مذہبی افراد کا ایک اجلاس منعقد ہوا، ان حالات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ چین کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے اور اب ترقی و کامرانی کی طرف قدم اٹھا رہا ہے۔

سوڈان میں نظامِ اسلام کا تجربہ زیرِ عمل!

اس وقت سوڈان کفارہ ادا کرنے میں مصروف ہے، ماضی میں تحریکِ اسلامی کو دبانے، اسلامی احیاء کی کوششوں کو بے سود بنانے اور جمہوریت کا گلا گھونٹنے کیلئے جو خطرناک اقدامات کئے گئے تھے اب ان کی تلافی ہو رہی ہے، صدر نمیری نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ بغیر اسلامی حکومت کے قیام کے چارہ نہیں، چنانچہ اصلاح و تطہیر کی مہم چل چکی ہے، نصابِ تعلیم کو اسلامی بنایا جا رہا ہے، شراب بندی کا قانون نافذ ہو چکا ہے، پردہ کو رواج دینے کی کوششیں جاری ہیں، سود کی لعنتوں سے ملک کو پاک کرنے پر غور ہو رہا ہے، بحیثیت مجموعی ملک کو اسلام بنانے کی طرف پیشرفت ہو رہی ہے، اس میں اخوان المسلمون کے رہنما ڈاکٹر حسن ترابی پیش پیش ہیں، خدا کرے وہ دن کہ جب یہاں مکمل نظامِ اسلام قائم ہو جائے اور تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کی قربانیاں مکمل رنگ لائیں۔

مصر میں الحاد و مذہبیت کی کشمکش!

صدر سادات نے اسلام پسند طبقہ کو دھمکی دی ہے کہ دین کو سیاست میں گھسنے کی اجازت نہ دی جائے، یہاں ہم تھیوکریسی کا وجود برداشت نہ کریں گے ادھر اخوانیوں کا ترجمان الدعوہ کھلے بندوں حکومت پر برابر تنقید کر رہا ہے جبکہ چند سال قبل تک اس کا یا اخوانی کا نام لینا بھی جرم تھا۔

وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگیں!

ایران میں علامہ خمینی کے اقدامات!

اس وقت ایران ملک کے تمام اسلامی شریعت کے نفاذ کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں، بائیں بازو کے سرداروں کو آئے دن سزائے موت دی جا رہی ہے، شراب کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا ہے، شراب سے بھری ہوئی ہزاروں بوتلیں تباہ کر دی گئی ہیں۔ اسلامی پردے کی پابندی کرائی جا رہی ہے، دفتروں سے بے پردہ خواتین کو گھر واپس بھیجا جا رہا ہے گو کہ وہ ساتر لباس پہن کر دفتر آتی ہیں۔ ابھی حال ہی میں جب خواتین نے پردہ کے خلاف مظاہرہ کیا تو علامہ خمینی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ — ایرانی مسلمانوں نے مغربی جمہوریت کیلئے خون نہیں بہایا ہے بلکہ یہ ساری قربانیاں اسلامی جمہوریت کے لئے دی گئی ہیں، افسوس ہے کہ شاہ پسند طبقہ ابھی تک فسادات کے ارتکاب پر تلا ہوا ہے لیکن انھیں کبھی معاف نہیں کیا جائیگا، نیز عورتوں کو پردہ کی تاکید ان کے حقوق اور عصمت و عفت کی حفاظت کیلئے کی جا رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ —

ہماری قوم کو تقدیر کا یہ پیغام مبارک ہو، قم کے تصور میں حقہ بازوں شبانہ متعدد زانیوں اور شرابیوں کو اسلامی شریعت کی رو سے کوڑے بھی لگائے گئے۔ اس وقت پورے ملک پر آیت اللہ خمینی کا فکر حکومت کر رہا ہے، کوئی ٹرک ڈرائیور خمینی کی تصویر لگائے بغیر سڑک پر آنے کی جرات نہیں کر سکتا، کوئی دکاندار خمینی کی تصویر کے بغیر دکان نہیں کھول سکتا یہاں تک کہ بہت سے سرکاری دفتروں میں شاہ کی تصویریں اتار کر خمینی کی تصویریں لگا دی گئی ہیں۔ بیشتر زندگی ... ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ — جدید ایران میں یہ انقلاب بہت ہی عجیب محسوس ہو رہا ہے اور خمینی کے لئے لوگوں کے جذبات کی صحیح تصویر اگر کھینچوں تو آپ شاید یہ سمجھیں کہ مبالغے سے کام لے رہا ہوں، بہت سے لوگ اور تقریباً تمام اخبارات آیت اللہ خمینی کو امام کا درجہ دے چکے ہیں۔

مشہد کے ہسپتالوں اور پبلک گھروں میں عالمگیر اسلامی اتحاد کے نقیب جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال کی تصاویر بکثرت نظر آتی ہیں۔ ایران میں اس وقت تعلیمی اصلاحات بھی شروع ہو گئی ہیں، چنانچہ نصاب تعلیم سے غیر اسلامی عناصر کو خارج کیا جا رہا ہے، مولانا مودودی کی تصانیف کا فارسی میں ترجمہ بڑے وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے۔ مولانا مودودی کے بیان کا ایران میں خاص چرچا ہو رہا ہے کہ پاکستان کے ایک سنی عالم نے ایران کی ملت کی حمایت کی ہے۔

لیکن اس بات کا خطرہ بہرحال موجود رہے گا کہ مذہب بیزار بائیں بازو اور کمیونسٹ پسند طبقہ شاہ پسند عناصر سے مل جائے اور وہ سب مل کر خمینی کے خلاف کوئی محاذ قائم کر لیں، لیکن اگر خمینی نے بصیرت سے کام لیا تو ان کی جادو اثر شخصیت کیلئے ان لوگوں کو مغلوب کرنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔

عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
کہ نیستاں کے لئے بس ہے ایک چنگاری

افغانستان میں کمیونسٹ حکومت متزلزل ہے!

افغانستان کے کمیونسٹ فوجی لیڈر اس وقت سخت پریشانی کی حالت میں مبتلا ہیں، ان کا انقلاب اپریل کامیاب ہوتا دکھائی نہیں دیتا، ... جب صدر نور محمد ترہ کی روس سے معاہدہ دوستی کے لئے روس گئے ہوئے تھے تو ان کے پیچھے پانچ ہزار باغی قبائل نے صوبہ کنڑ کے دارالحکومت کو اپنے گھیرے میں لے لیا، یہ صوبہ پاکستان کی سرحد سے ملحق ہے۔ باغی قبائل عقیدتاً کمیونزم کے مخالف ہیں۔ ... سے متصل متعدد سرحدی مقامات پر کئی ماہ سے قابض ہیں، ان کا خیال ہے کہ اگر صوبہ کنڑ کا دارالحکومت مفتوح ہو گیا تو بغاوت کی آگ کابل کے قریبی مقامات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ ترہ کی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اس قسم کی بغاوت آج سے پچاس برس قبل بھی افغانی فوج کو مکمل تباہ کر کے رکھ دیا تھا لیکن آج کی روسی ہتھیاروں سے لیس تربیت یافتہ افغان فوج ترقی یافتہ ہے اور قبائل کا تنہا اپنی طاقت کو شکست دینا ممکن نہیں ہے لیکن افغان فوج کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس میں یکسوئی اور اتحاد نہیں رہا۔ انقلاب اپریل کے بعد فوج کو تطہیر کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا جس کی وجہ سے اس کے اندر افتراق پیدا ہو گیا اور اسی سبب کچھ مدت قبل کابل میں ہزاروں فوجی باہم دست و گریباں ہو گئے تھے۔ اب ترہ کی پارٹی تعلیم یافتہ طبقے اور افسروں کے محدود دائرے میں بھی محدود ہو کر رہ گئی ہے، افغانستان میں جدید تعلیم یافتہ اور افسر طبقہ زیادہ سے زیادہ دس فیصد ہوگا، بقیہ نوے فیصد آبادی ناخواندہ ہے، روس کی تربیت یافتہ فضائیہ ہی اب صرف ترہ کی حکومت کی قابل اعتماد اور وفادار کہی جا سکتی ہے۔ افغان قوم بنیادی طور پر مذہبی ہے، اس لئے دل سے حکومت کے بارے میں شکوک و شبہات رفع کرنے کیلئے ترہ کی کا بینہ کبھی مسجد میں نماز پڑھتے بھی جاتا ہے۔